ماہنامہ
دلیل راہ
لاہور
2009 — 1430ھ
یا اللہ
صل علی محمد
اللھم
یا محمد
بارک علی محمد
اللھم

نعت شریف

ہونٹوں پہ میرے جب جب بھی ذکیؔ! سرکار کی مدحت ہوتی ہے
دل جھوم کے سجدے کرتا ہے، جاں محوِ عبادت ہوتی ہے

لو جہل کے پردے اٹھتے ہیں، لو کفر کے بادل چھٹتے ہیں
لو ابھرا وہ خورشیدِ حرا، وہ صبحِ سعادت ہوتی ہے

انسان جسے اپنا لے تو، رہتا نہیں کوئی خوف وخطر
وہ آپ کا اسوہ ہوتا ہے وہ آپ کی سنت ہوتی ہے

ہے عشق کا پروانہ، دیوانہ بھی ہو کر فرزانہ
جلتا ہے آتشِ عشق میں جب حاصل اسے رخصت ہوتی ہے

وہ سرورِ دیں کی حرمت، ہوتا ہے فدا کٹ مرتا ہے
شعلہ بھر جس کے سینے میں، ایماں کی حرارت ہوتی ہے

دل یادِ نبی میں روتا ہے، اشکوں کے ہار پروتا ہے
سب داغ گندھل جاتے ہیں، یوں بارشِ رحمت ہوتی ہے

گلزارِ جہاں کب ہے چاہا، فردوسِ بریں کب ہے مانگا
کہتے ہیں جسے ارضِ طیبہ، میری وہی جنت ہوتی ہے

میں رات کو اکثر اٹھ کر، لکھتا ہوں ذکیؔ! الفت سرور
ہر لمحہ چادرِ رحمت کی، دل میں میرے حسرت ہوتی ہے

رفیع الدین ذکی قریشی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوست کون دشمن کون

کاروان زندگی پوری سرعت کے ساتھ منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ وقت پوری رفتار کے ساتھ عمر سوزی اور تاریخ سازی کا عمل جاری کئے ہوئے ہے۔ انسانی کارواں زمین کی بوجھل اور مضبوط تہوں تلے دبتے جارہے ہیں۔ ''سائل در کنار'' زندگی زندہ انسانوں کو مردہ کرنے پر تلی کھڑی ہے۔ دامن حیات بظاہر آباد دکھائی دیتا ہے۔

رونقیں ہیں چہل پہل ہے، مادی لحاظ سے ترقی ہے اور عروج ہے۔ رینگتے وجود دوڑتے ہیں اور دوڑتے قافلے اڑتے ہیں۔ تغیر و تبدل، ترقی و ارتقاء، بھاگ دوڑ کمند تسخیر کی بے تابیاں، دریاؤں، فضاؤں سبھی کو پریشان کئے ہوئے ہیں۔ آفتاب و ماہتاب بھی شاید ابن آدم کے مضبوط عزائم کی یلغار سے بچنے کی فکر میں ہیں۔ راتوں کا لرزتا سکوت اور دنوں کے بانکے اُجالے مصنوعی انسانی اہتمامات کی گود میں دم توڑ رہے ہیں۔

مادی عروج اور ترقی کے اس لرزہ فگن دور میں مسلمان کہاں کھڑے ہیں۔ ان کی صفوں میں اتفاق و اتحاد کی صورت کیا ہے؟ ان کے ہاں محبت و تعلق کے جذبے کیسے ہیں؟ عالم رنگ و بو کی قیادت اس وقت کس کے ہاتھ میں ہے؟ یہ سب سوالات ان سینوں میں بے تابی پیدا کر رہے ہیں، جن کی خواہش اور آرزو اس گیتی حیات میں عزت و آبرو کی زندگی گزارنا ہے۔ زبوں حالی کی اس یاس انگیز کیفیت میں مسلمانوں کو بے شک سوچنا چاہئے کہ وہ رو بہ زوال ہمارا مقدر کیوں بن چکی ہے اور ''بین الاقوامی'' سطح پر مسلمان فتنوں کا شکار کیوں ہیں۔ ہسپانیہ اور بغداد کے درد افزا مقامات مرور زمانہ کی وجہ سے فراموش بھی کر دیئے جائیں، تو کیا یہ حقیقت نہیں کہ روس نے کس مکر اور چالبازی کے ساتھ مسلمانوں کی نو ریاستوں کو اپنا باج گزار بنا کر وہاں کے رہنے والوں پر ظلم و استبداد کی چکیاں کسیں، قبرص، کشمیر، فلسطین اور اری ٹیریا میں مسلمانوں کے خون کو کس قدر سستا سمجھا گیا۔

بھارت کی متعصبانہ سوچ نے مسلمانوں کو کس بے دردی کے ساتھ سفاکی کا نشانہ بنایا گویا عالمی سطح پر مسلمانوں کو ذلت کا ہار پہنانے کی سازشیں ہوئیں، جن کے نتیجے میں مسلمانوں نے اپنے لائق غیور اور عظیم اسلاف کے روشن کارناموں کو بھی دھول دار کیا---------!!

ہمارے خیال میں مسلمانوں کے خلاف اس وقت دو ذہن پوری سرعت اور تیزی کے ساتھ کام کر رہے ہیں، ایک یہود اور دوسرا عیسائی۔ یہی وہ دو قومیں تھیں جن کی چالبازیوں سے رسالت مآب ﷺ نے اُمت مسلمہ کو ہمیشہ متنبہ رکھا۔ یہود نے مسلمانوں پر منظم نظریاتی اور اقتصادی حملے کئے اور عیسائیوں نے دوستی اور خیر سگالی کے نام پر بدتمیز کلچر مسلمانوں کی نئی نسلوں میں سرایت کرنے کی کوشش کی۔ نظریاتی، اقتصادی اور تہذیبی دھوکہ بازیوں کے ساتھ ساتھ عسکری اور فوجی نوعیت کے حربے بھی استعمال کئے۔ روس کی اشتراکیت یہودی ذہن کی پیداوار تھی اور مغرب کا

سرمایہ دارانہ نظام حکومت عیسائیوں کا اختیاری دھوکہ تھا۔ امریکہ اور روس دو ملک نہیں دو ذہن ہیں، ایک عیسائیوں کے مقاصد کو پورا کرتا ہے اور دوسرا یہود کے ذہن کی عکاسی کرتا ہے۔ بظاہر یہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف معاندانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں لیکن مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں ایک ہی تنے سے پھوٹنے والی یہ دو شیطانی شاخیں ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف ان کے باطنی بغض کو سمجھنے کے لئے یہ کافی نہیں کہ افغانستان کے اندر جب مجاہدین کی جنگ نتیجہ خیز ہونے لگی تو مذکورہ دونوں ذہن پوری ہم آہنگی کے ساتھ اسلامی حکومت کے قیام کی راہ میں رکاوٹیں حائل کرنے لگ گئے۔

مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کی بہت سی سازشیں کامیاب ہوئیں، لیکن سب سے زیادہ ظلم یہ ہوا کہ مسلمان اپنی سوچ میں کشادہ ظرف ہو گئے۔ مسلمان اپنا تہذیبی ورثہ ضائع کرتے چلے گئے اور یہود و نصاریٰ روایت پسندی سے نکل کر روایت پرستی کے دائروں میں داخل ہو گئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں دنیا میں بر و احسان کا جو عظیم انقلاب بپا ہوا تھا اور لاکھ ہا عیسائی دامنِ مصطفےٰ ﷺ سے وابستہ ہوئے تھے، یہود و نصاریٰ اس کا انتقام لینے لگ گئے۔

ہمارے خیال میں مسلمانوں کے لئے اس وقت صرف دو راستے ہیں، عزت کی زندگی یا

عزت کی موت۔

بین الاقوامی انقلاب کے لئے مسلمانوں کے پاس قربانی کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ رسول پاک ﷺ نے دوستی کا سلیقہ بھی دیا اور دشمن کی پہچان بھی بتائی، مسلمان جب تک دشمن کو دشمن نہیں سمجھتے اور یہود و نصاریٰ کے اقتصادی اور نظریاتی حربوں کے مقابلہ میں نظامِ مصطفےٰ پر اپنا ایمان اور ایقان مضبوط نہیں کرتے، ایامِ ذلت کو تاریخ عزت سے نہیں بدلا جا سکتا۔

ہمیں پہچاننا ہوگا کہ دوست کون ہے اور دشمن کون---------!

ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ایمان کیا ہے اور کفر کیا----------!

ہمیں جاننا ہوگا کہ راہ نور کون سی ہے اور طریق نار کون سا---------!

ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا کہ رحمٰن محبت کے لائق ہے یا شیطان---------!

ہمیں ثابت کرنا ہوگا کہ زندگی لذت رکھتی ہے یا موت---------!

مسلمانو!

تم جانتے ہو کہ تمہاری صفوں میں اتحاد کیوں نہیں---------؟

تمہیں علم ہے کہ تم پر مفاد پرست حاکم کیوں مسلط ہیں---------؟

کیا تم نے کبھی سوچا کہ---------؟

ظلم و بربریت کا نشانہ مسلمان کیوں بنتے ہیں---------؟

فحاشی و عریانیت کا سیلاب مسلمان ملکوں کو اپنی لپیٹ میں کیوں لے رہا ہے---------؟

شرافت اور نیکی کی مسندیں کیوں اجڑ رہی ہیں---------؟

مادہ زہر ہلاہل ہونے کے باوجود میٹھا کیوں لگ رہا ہے---------؟

اسلام کو بنیاد پرستی کا طعنہ کیوں دیا جا رہا ہے---------؟

عیسائیوں کا مذہبی رہنما لارڈ اور مسلمانوں کا دینی راہنما ملا کیوں ہے---------؟

عیاشی، دانشمندی و دانائی اور دینی سادگی دقیانوسیت کیوں ہے---------؟

اس لئے کہ طاغوت یہودی، عیسائی، ہندو

اوران کی معنوی اولاد قادیانی، مفاد پرست حاکم، بے نکھرے جامعات، دھلے سچے ثقافتی جوڑے، بے دین ادبی ادارے، سماجی فرقے، ٹولے اور زنگ آلودہ ذہن کھلم کھلا مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار ہیں۔

اس موقع پر ہماری دعوت تنگ نظری، خود پرستی اور صرف اور صرف اپنے دینی مفاد کا تحفظ ہے۔ ایسی تنگ نظری اور تعصب جس میں مسلمان صرف مسلمان ہونے کے ناطے سوچیں۔ مسلمان صرف مسلمان ہی کو پسند رکھیں۔ صرف مسلمانوں کو ہی دوست رکھیں۔ مسلمانوں کی یہ اجتماعی تنگ نظری کفر کا مزاج درست کر سکتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی ترقی و عروج مسلمانوں کی اسی سوچ کا رہین منت ہے۔ مسلمان کسی بیساکھی کے سہارے منزل آشنا نہیں ہو سکتے، شاید اسی عظیم ضرورت ہی کے تحت اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا تھا:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

''اور نہ جھک پڑو ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا وگرنہ تمہیں آگ چھوئے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی کارساز نہیں پھر تمہاری مدد نہ ہوگی'' (ھود۔۱۱۳)

مسلمانوں کے میلان و محبت کا مرجع صرف اللہ اور اس کے رسول کی ذات ہوتی ہے۔ مسلمان ان محرکات سے بچتے ہیں جن سے عشق رسول کے سوتے خشک ہوتے ہوں اور دشمنان خدا کی فاسد اغراض پوری ہوتی ہوں۔ مسلمان طبعاً پسند نہیں کرتا کہ اہل جاہلیت کے شعار زندہ ہوں اور فطرت سلیم مسخ کی جائے۔ مسلمان دوستی اور دشمنی کا پیمانہ صرف ایک ذات کو تصور کرتا ہے۔

رسول پاک ﷺ سے مسلمان کا تعلق ایسے ہوتا ہے۔

''شاخ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم''

فتنوں کی دبیز تاریکی اور دین دشمنی کی انتہاہ سیاہیوں میں مسلمانوں کے پاس وہ سراج منیر موجود ہے جس کی روشن کرنیں مقدر کی سیاہیوں کو اُجالوں میں بدل سکتی ہیں۔ انسان خود پرستی کے تنگ دائروں سے نکل کر خدا پرستی کی کھلی فضا میں آ سکتا ہے، لیکن اس عظیم مقام تک رسائی حاصل کرنے کے لئے بقول ایک مستشرق کے مسلمانوں کو ایک عظیم جنگ لڑنی ہوگی۔

گویا اب وقت ہے کہ مسلمان سوچیں اور حالات زمانہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

مسلمانو!
تمہیں ناموس رہبر ﷺ کی قسم
زلف پیغمبر ﷺ کا واسطہ
دیکھو!
افق تا افق ——— فلک تا فلک
کون ہے تمہارا؟ اور کس کے ہو تم
یہ یہود و نصاریٰ
دشمن ہیں سب
دیکھو!
یہ ظلم کے خوگر کوے اور چیلیں
تمہیں تم سے بیگانہ کر رہے ہیں

یہ سیاہیوں کے بپھرے دریا
تمہیں غرقاب کرنے کے درپے ہیں
تمہارا ایمان ------ تمہارا ایقان ------ تمہاری دولت ------ تمہاری عزت ------ تمہاری
کشت ------ تمہارا دشت ------ تمہاری معراج ------ تمہاری اعراج ------
ان کو پسند نہیں
نہ یہ ہمارے ہیں اور نہ ہم
ان کے ہم سب بکے ہیں دست مصطفیٰ ﷺ پر
ہماری زندگی مصطفیٰ ﷺ کے لئے اور ہماری موت مصطفیٰ ﷺ کے لئے
جو مصطفیٰ ﷺ کا ہے وہ ہمارا ہے
اور جو مصطفیٰ ﷺ کا نہیں وہ ہمارا نہیں ہے۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید و فرقان حمید کی تفسیر "تبصرہ" کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ شمس کی تفسیر کا دوسرا حصہ پیش کر رہے ہیں (ادارہ)

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿١١﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ
اَشْقٰىهَا ﴿١٢﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ
وَسُقْيٰهَا ﴿١٣﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۫ فَدَمْدَمَ
عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿١٤﴾ وَلَا
يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿١٥﴾

ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلایا (۱۱) جب اُن میں سے ایک بڑا محروم شخص اٹھ کھڑا ہوا (۱۲) تو اُن سے اللہ کے رسول نے فرمایا (یہ) اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری ہے (۱۳) تو انہوں نے اس کی تکذیب کی تو اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو اُن کے رب نے اُن کے گناہ کی وجہ سے اُن پر تباہی ڈال دی پھر اس بستی کو ملیامیٹ کر دیا (۱۴) اور ان کا پیچھا کرنے کا اسے کوئی خوف نہیں (۱۵)

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿١١﴾

ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلایا

نفس کو آلودہ کر لینے اور اپنے آپ کو خاسر اور محروم بنا لینے والے لوگوں کے بیان کے بعد قرآن حکیم ایک تاریخی مثال بیان کرتا ہے کہ وہ لوگ جو سرکش، ڈھیٹ اور منکر حق ہوتے ہیں ان کا انجام کس قدر عبرت ناک ہوتا ہے۔ ثمود قوم کی سرکشیاں جس طرح ان کی تباہی اور ہلاکت کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں، قاری قرآن کو ان کی عبرت ناک تاریخ غور و فکر کے ساتھ پڑھنی چاہئے۔

ثمود دنیا کی قدیم ترین اقوام میں سے ایک قوم تھی۔ یہ حجاز اور شام کے درمیانی علاقوں میں ایک کوہستانی سلسلہ میں آباد تھے۔ ان کی زمینیں آباد تھیں۔ پربت معدنیات اگلتے تھے اور ان کی رہائشیں مضبوط اور مستحکم تھیں۔ بود و باش کا انداز عیاشیوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔ یہ لوگ اپنے ایسا کسی کو تصور نہیں کرتے تھے۔ نعمتوں کی بہتات اور فراوانی نے انہیں بگاڑ دیا تھا۔ یہ شعائر حقہ کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان کی اصلاح کے لئے حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ ایک اونٹنی صالح علیہ السلام کا معجزہ بن کر ظاہر ہوئی تھی لیکن یہ لوگ حدود الٰہیہ سے تجاوز کر گئے۔ صالح علیہ السلام کی تکذیب کر دی اور آیات الٰہیہ کا مذاق اڑایا۔ آخر کار ایک آسمانی بجلی، کڑک اور آگ کے شعلے نے انہیں ٹھنڈا کر دیا اور یہ نابود ہو کر تاریخ عبرت کا حصہ بن گئے۔ قرآن حکیم اپنے پڑھنے والوں کو ان کی تاریخ سے سبق حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے اور ان کی سرکشی کی تاریخ کو مزید آگے بڑھاتا ہے۔

اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿١٢﴾

جب اُن میں سے ایک بڑا محروم شخص اٹھ کھڑا ہوا

قرآن مجید کی یہ آیت اس بدبخت شخص کی تاریخ سے پردہ سرکاتی ہے جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ہلاک کیا تھا۔

''ناقہ صالح'' کی کہانی یہ ہے کہ قوم کی فرمائش پر حضرت صالح علیہ السلام نے یہ اونٹنی ظاہر کی تھی اور اللہ نے اس کو معجزہ بنا دیا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اس اونٹنی کو کوئی شخص گزند نہ پہنچائے۔ ایک دن کنویں سے سارے قبیلے کے لوگ پانی پئیں گے اور ایک دن یہ اونٹنی پانی پیئے گی۔ اگر کوئی اس میں تبدیلی لائے گا تو تم سب تہس نہس کر دیے جاؤ گے۔ قوم ڈھٹائی پر اتر آئی اور صالح علیہ السلام کی تکذیب کی، اونٹنی کا مذاق اڑایا، نہ صرف مذاق اڑایا بلکہ اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ مفسرین نے اس شخص کا نام قدار بن سالف نقل کیا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن: قرطبی ایضاً طبری ایضاً رازی ایضاً مجمع البیان ایضاً ضیاء القرآن ایضاً نمونہ ایضاً السراج ایضاً روح المعانی)

رسول اللہ ﷺ نے علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہ الکریم سے فرمایا:

من اشقی الاولین؟

پہلی قوموں میں سے سب سے بڑھ کر بدبخت شخص کون تھا۔۔۔؟

حضرت علی ؓ نے عرض کی:

صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا شخص۔۔۔

رحمت عالم ﷺ نے پوچھا:

صدقت ۔۔۔!!

فمن اشقی الاٰخرین ۔۔۔؟

آپ نے ٹھیک کہا۔۔۔!!

تو پچھلوں میں سے سب سے شقی کون ہوگا۔۔۔؟

علی کرم اللہ وجہ الکریم نے عرض کی اللہ و رسولہ اعلم

اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الذی یضربک علی ھذہ واشار الیٰ فوقہ

جو شخص تیرے سر کے اس مقام پر تلوار مارے گا اور اشارہ اپنی پیشانی کے اوپر والے حصے کی طرف فرمایا۔

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾

تو اُن سے اللہ کے رسول نے فرمایا (یہ) اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری ہے

اس سے پہلی آیت ایک بد بخت شخص جسے سرکشی نے گھیر رکھا تھا اس کی تصویر کشی کرتی ہے۔ سرکشیوں کی آماجگاہ سے پیدا ہونے والے لوگ بخت کے ارجمند نہیں ہو سکتے۔ ایسے لوگ معاشرے کے بگاڑ کا سبب ہوتے ہیں۔ ان ناہموار اور نادان لوگوں کی وجہ سے زندگی پاکیزہ راستوں سے دور ہٹ جاتی ہے۔ سرکشیاں انسان کو کم ظرف، غلام اور ذلیل بنا دیتی ہیں۔ ایسا معاشرہ جس میں سرکشی، ڈھٹائی اور فساد پھیل جائے، وہاں عزت مند لوگوں کی بات قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی بلکہ عمامے اوھیڑے جاتے ہیں، عزتیں پامال کی جاتی ہیں۔ عیاشیوں کے رسیا لوگ اعلیٰ اور پاکیزہ شخصیتوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے ہیں۔

زیر مطالعہ آیت متعفن سوسائٹی کا ایک خوفناک منظر قاری قرآن کے سامنے پیش کرتی ہے۔

قوم ثمود میں اللہ کے رسول نے انہیں متنبہ کیا کہ اس اونٹنی کو معمولی نہ سمجھا جائے یہ اللہ کی اونٹنی ہے یعنی اس کی قدرت اور گرفت کا نشان ہے، اس کا احترام کیا جائے۔ نبوت کے معجزے اس کے وجود سے عیاں ہیں۔ اس کے پانی پینے کی باری کا بھی احترام کیا جائے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اونٹنی کو قتل تو ایک شخص نے کیا تھا لیکن گرفت دیگر سب کی ہوئی۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ عملاً اگرچہ اس ناپاک عمل کا ارتکاب ایک شخص نے کیا تھا، ذمہ دار سب اس لئے ٹھہرائے گئے کہ انہوں نے اس شخص کو اس مذموم فعل پر روک نہ کی گویا ان سب نے اس برے عمل کی ذمہ داری لے لی جس کی وجہ سے سب عذاب کا شکار ہو گئے؟

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۫ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾

تو انہوں نے اس کی تکذیب کی تو اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو اُن کے رب نے اُن کے گناہ کی وجہ سے اُن پر تباہی ڈال دی پھر اس بستی کو ملیامیٹ کر دیا

آیت میں پانچ چیزیں قابل غور ہیں اور آیت کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں:

مفہوم کا پہلا حصہ:

حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب میں وہ سب شریک ہو گئے گویا جرم کا ارتکاب کسی ایک شخص نے نہ کیا بلکہ اجتماعی طور پر تکذیب اور توہین کے ذمہ دار وہ سب کے سب لوگ تھے۔ ان کی ڈھٹائی کا عالم یہ تھا کہ اونٹنی میں اعجاز کا مشاہدہ کرنے کے باوجود حضرت صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کے لئے دوڑ پڑے۔۔۔۔۔۔۔!!

مفہوم کا دوسرا حصہ:

عقروھا عقر سے ہے یہ ظلم کے وزن پر ہے اس کا مفہوم ہوتا ہے جڑ سے اکھیڑ دینا یا ہلاک کر دینا۔ اس لفظ کی تشریح میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ناقہ ثمود کو اگرچہ ایک ہی شخص نے ہلاک کیا تھا لیکن اللہ نے عذاب میں سب کو شامل کیا اس لئے کہ وہ سب اس کی ہلاکت پر راضی ہوئے۔'' (نہج البلاغہ: خطبہ علی رضی اللہ عنہ)

مفہوم کا تیسرا حصہ:

دمدم لفظ ''دمدمۃ'' سے ماخوذ ہے۔

اس کے پانچ معانی مستعمل ہیں:

(۱) کوٹنا اور نرم کرنا

(۲) مکمل عذاب دینا

(۳) ہلاکت کے اسباب مہیا کر دینا

(۴) جڑ سے اکھیڑ دینا

(۵) غضب ناک ہونا

آیت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مکمل سرکوبی کر دی اور انہیں جڑ سے اکھیڑ پھینکا۔

مفہوم کا چوتھا حصہ:

آیت بتلاتی ہے کہ انہیں ان کے رب نے ان کے جرم عظیم اور گناہ کبیرہ کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔ ان کا جرم صرف اونٹنی کو قتل کرنا نہیں تھا بلکہ وہ نور ہدایت کو خاموش کر دینا چاہتے تھے۔ انہیں حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تین دن تک اپنے گھروں میں جس نعمت سے چاہیں عزت حاصل کر لیں پھر انہیں ہلاک کر دیا جائے اور عذاب الٰہیہ نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔

مفہوم کا پانچواں حصہ:

سواھا کے دو مطلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ عذاب نے ان کے گھروں کا صفایا کر دیا اور ان کے مسکن چٹیل اور صاف زمین بن گئے جیسے وہاں کوئی رہا ہی نہ ہو اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ سزا سب کو یکساں دی گئی اور ان کی آبادیوں کو مٹی میں ملا کر برابر کر دیا گیا۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝

اور ان کا پیچھا کرنے کا اسے کوئی خوف نہیں

اللہ تعالیٰ اس کام کو انجام دینے میں ڈرتا نہیں ہے۔ وہ قادر ہے، قدیر ہے اور متعال ہے۔ ہر ایک اس کے قبضے میں ہے۔ اس کے ہاں کسی قسم کی کمزوری اور ناتوانی نہیں۔ یہ دنیا کے حاکم ہوتے ہیں جو عواقب اور آثار سے ڈرتے ہیں کہ کہیں کسی چیز کا ردعمل ان کو نقصان نہ دے دے، لیکن اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اپنی قدرت کے ساتھ اسے انجام تک پہنچا دیتا ہے۔

آیت کی صحیح تفسیر اگرچہ یہی ہے لیکن بعض مفسرین نے آیت کا ایک دوسرا مفہوم بھی بیان کیا ہے یعنی سب سے بڑا بدبخت اونٹنی کو ہلاک کرنے کے لئے تیار ہو گیا اس کے نتیجہ کی طرف سے اسے کوئی خوف محسوس نہ ہوا۔ زیادہ صحیح تفسیر پہلی ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نفوس کا تزکیہ فرمائے۔

اللہ کریم محرومیوں اور سرکشیوں سے محفوظ رکھے۔

اللہ جلیل اپنی قدرتوں سے عمل اور اطاعت کی دولت عطا فرمائے۔

اللہ حکیم اپنی نشانیوں کے معجزوں کی توقیر اور احترام نصیب فرمائے۔

اللہ قدیر اپنی ناراضگی اور عذاب سے بچائے

خاتمہ بالایمان ہو اور حضور ﷺ کے قدموں کی خاک قبلہ مقصود بن جائے۔۔۔

☆☆☆

دودھ والے جانور کا عطیہ۔۔۔بہترین خصلت

عن حسان بن عطیه بن ابی کبشه السلولی سمعت عبد الله بن عمرو رضی الله عنهما یقول قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اربعون خصلة اعلاهن منیحة العنز ما من عامل یعمل بخصلة منها رجاء ثوبها وتصدیق موعودها الا ادخله الله بها الجنة.

(صحیح بخاری جلد اول کتاب الھبۃ باب فضل المنیحۃ ص ۳۵۸)

مفتی محمد صدیق ہزاروی

حضرت حسان بن عطیہ، حضرت ابو کبشہ سلولی سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں، رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ چالیس خصلتیں ہیں جن میں سے اعلیٰ خصلت (دودھ والی) بکری کا عطیہ دینا ہے۔ کوئی عمل کرنے والا ان میں سے کسی ایک خصلت پر اس کے ثواب کی امید اور اس پر جو وعدہ کیا گیا اس کی تصدیق کرتے ہوئے عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اسے جنت میں داخل کرے گا۔

رسول کریم ﷺ نے رحمۃ للعالمین ہونے کے ناطے اپنی امت کو ہر اس کام کی ترغیب دی جو اسے جہنم سے بچا کر جنت کی نعمتوں سے مالا مال کردے۔ یہی نہیں اس سلسلے میں دنیوی زندگی کے اعتبار سے بھی اپنی رحمت عامہ کے فیضان کو عام کرنے کے لئے خصوصی طور پر حقوق العباد اور ضرورت مند لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

چنانچہ اس حدیث شریف میں چالیس خصلتوں کا اجمالی ذکر فرما کر ان میں سے اعلیٰ ترین خصلت کو وضاحت کے ساتھ نام لے کر بیان فرمایا اور وہ دودھ والی بکری کسی شخص کو بطور ادھار دینا ہے۔

اسلام میں حقوق العباد کا کس طرح خیال رکھا گیا ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ فقہ حنفی کے ایک عظیم امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اور تجزیہ سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حج فرض ہونے کے بعد اس میں تاخیر کرنے والا گناہ گار نہیں ہوگا لیکن زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد اس میں تاخیر کرنے والا گناہ گار ہوگا، وہ حج اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہوئے فرماتے ہیں چونکہ زکوٰۃ فقراء کا حق ہے لہٰذا ان کے حق میں تاخیر کرنے کی وجہ سے گناہ کار ہوگا لیکن حج خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے (فتاویٰ قاضی خان جلد اول کتاب الزکوٰۃ ص ۱۲۲) گویا حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے واضح کیا کہ بندہ محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ محتاج نہیں ہے لہٰذا بندوں کے حقوق میں کوتاہی قابل معافی نہیں ہے۔

اس حدیث کے ایک راوی حضرت حسان بن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم نے بکری کے عطیہ کے علاوہ باقی خصلتوں کو شمار کرنا چاہا تو ان میں سلام کا جواب، چھینکنے والے کی چھینک کا جواب، راستے سے اذیت ناک چیز کو ہٹانے اور اس طرح کے دیگر اچھے کاموں کی گنتی کی لیکن ہم پندرہ خصلتوں تک بھی نہ پہنچ سکے۔

گویا حضرت حسان بن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے ان چالیس خصلتوں میں ان امور کو شامل فرمایا جو خلوق خدا بالخصوص مسلمان کے ساتھ بھلائی سے متعلق ہیں۔

اگر ہم احادیث مبارکہ کا مطالعہ کر کے بطور تحقیق ان امور کا جائزہ لیں جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں اور ان پر جنت کا وعدہ کیا گیا ہے تو وہ تمام امور ہمارے سامنے آجائیں گے مثلاً جنازہ کے ساتھ جانا، بیمار کی بیمار پرسی کرنا، دعوت قبول کرنا وغیرہ امور کا احادیث مبارکہ میں ذکر آتا ہے۔

بہر حال ہر وہ کام جس کے ذریعے ہم دوسرے مسلمان کو نفع پہنچا سکتے ہیں وہ ان کاموں میں شامل ہیں جو جنت میں جانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ نے اس حدیث میں اس بات کی تعلیم بھی دی کہ اعمال صالحہ چاہے وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے، ان کی ادائیگی کرتے وقت ثواب مقصود ہونا چاہئے۔ ریاکاری، کسی پر احسان اور شہرت طلبی جیسی بری خصلتوں سے بچنا چاہئے۔ جو اعمال کو دیمک کی طرح چاٹ لیتی ہیں اسی لئے آپ نے فرمایا "رجاء ثوابها" ان اعمال کے ثواب کی امید رکھی جائے اس سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے بلکہ اسے یہ امید رکھنی چاہئے کہ اگر میرے اعمال اخلاص پر مبنی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ جو رحمٰن و رحیم ہے وہ اپنے فضل و کرم سے ضرور بضرور ثواب عطا فرمائے گا۔

رسول اکرم ﷺ نے یہ بھی بتایا کہ میں نے ان اعمال کی بجا آوری پر جس اجر کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا فرمائے گا اس پر ایمان بھی ہونا چاہئے یعنی وہ اس پر یقین رکھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "وتصديق موعودها" تصدیق دل سے تسلیم کرنے کو کہتے ہیں یعنی اس کا یہ اعتقاد ہونا چاہئے کہ جو کچھ میرے آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ برحق ہے لہٰذا اس کو تذبذب کا شکار نہیں ہونا چاہئے اور نہ اس کا عقیدہ ڈانواڈول ہو کہ نہ معلوم جنت کا حصول ہوگا یا نہیں۔ مومن کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے وعدوں پر پختہ یقین رکھے کیونکہ جن ذوات قدسیہ نے ایفائے عہد کی تعلیم دی ہے وہ خود کس طرح وعدہ خلافی کر سکتی ہیں۔

اس حدیث شریف میں "منیحہ" کا ذکر کیا گیا اور بتایا کہ جنت میں لے جانے والی چالیس خصلتوں میں سے اعلیٰ ترین خصلت بکری کا

منیحہ یعنی عطیہ ہے۔ منیحہ اس بکری یا اونٹنی کو کہتے ہیں جسے اہل عرب کسی دوسرے شخص کو اس مقصد کے لئے دیتے تھے کہ وہ اس کے دودھ اور اون وغیرہ سے ایک خاص وقت تک فائدہ اٹھائے پھر مالک کو واپس کر دے۔

گویا عطیہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ جو بطور صلہ رحمی دیا جائے اور واپس نہ لیا جائے اور یہ محض عطیہ یا ھبہ ہے اور دوسرا وہ جو مخصوص وقت کے لئے دیا جائے اس صورت میں اس عطیہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور اصل ملکیت کا عطیہ نہیں ہوتا۔

اپنے ضرورت مند بھائیوں کے ساتھ اس طرح کا عمدہ سلوک، آج بھی ہمارے معاشرے میں کہیں نہ کہیں نظر آتا ہے۔ جن لوگوں کے پاس دودھ دینے والے جانوران کی ضرورت سے زائد ہوتے ہیں وہ دوسرے مسلمانوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح زمین کا کوئی ٹکڑا کسی مسلمان بھائی کو عارضی طور پر دے دینا کہ وہ اس سے غلہ حاصل کرے پھر مالک زمین کو واپس کر دے۔

رسول کریم ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا **نعم المنیحة اللقحة الصفی منیحه** ''بہترین منیحہ دودھ دینے والا جانور ہے جس کے ہاں بچے کی ولادت قریب ہو، اس کو صفی بھی کہا جاتا ہے یعنی وہ عمدہ جانور جس کا دودھ زیادہ ہو، ایک برتن دودھ کا صبح اور ایک برتن شام کو بھرے۔

اگر ہم اس حدیث پاک سے مزید استفادہ اور استنباط واجتہاد کریں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مختلف اشیاء میں فراوانی عطا فرمائی ہے تو اسے اپنی ذات تک محدود نہ رکھیں بلکہ حاجت مند کی حاجت کو بھی پورا کریں چاہے وہ کوئی بھی چیز ہے۔

اسلام میں قربانی اور ایثار کا درس دیا گیا۔ دوسروں کی املاک کو قبضہ میں لینے اور کسی بھی ناپسندیدہ طریقے پر ہتھیانے کی اجازت نہیں۔ جب کہ سوشلسٹ اور کمیونسٹ معاشرے میں ذاتی ملکیت کا قلع قمع کرنے اور ضرورت سے زائد اشیاء کو چھین لینے کا ظالمانہ تصور پایا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ نبی اکرم ﷺ ایک زمین کی طرف تشریف لے گئے جس میں کھیتی لہلہا رہی تھی۔ آپ نے پوچھا یہ زمین کس کی ہے؟

حاضرین نے جواب دیا فلاں شخص نے کرایہ پر دے رکھی ہے۔ آپ نے فرمایا اگر وہ اسے کسی کو منیحہ (عطیہ) کے طور پر دیتا تو اس پر معلوم ومقرر اجرت لینے سے بہتر ہوتا (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۵۸ کتاب الھبہ باب فضل المنیحہ) اس حدیث کے یہ الفاظ کہ بہتر ہوتا اس بات کو واشگاف الفاظ میں واضح کر رہے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس عمل کی ترغیب دی سختی نہیں فرمائی اور اس بات کو لازم نہیں قرار دیا کہ جو شخص خود زراعت نہیں کرتا یا اس کے پاس زائد زمین ہے تو وہ اسے کرایہ پر نہیں دے سکتا۔

لہٰذا دوسرے افراد معاشرہ بالخصوص مجبور لوگوں کا خیال رکھنا روح اسلام ہے۔ یہ اسلام کا وہ معاشرتی اور معاشی نظام ہے جس کا مقابلہ دنیا کا کوئی نظام نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اپنے پیارے آقا ﷺ کی اس رحمت بھری تعلیم اور ہدایات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

فضیلت علم وعلماء

صاحبزادہ سید فیض الحسن آلومہار شریف

شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن

(البقرہ:۱۸۵)

صدر بزم حضرات علمائے کرام اور برادران اسلام!

میں یہاں بیان کرنے کے لئے نہیں آیا بلکہ استفادے کے لئے آیا ہوں۔

سنانے کے لئے نہیں آیا بلکہ سننے کے لئے آیا ہوں۔

کچھ دینے کے لئے نہیں آیا کچھ لینے کے لئے آیا ہوں۔

بعض وہ مقامات ہیں جس مقام پہ انسان جا کر فنون تقریر بیان کرتا ہے، اپنی خوبیوں کو بیان کرتا ہے، قابلیت کو بیان کرتا ہے، کچھ عطا کرتا ہے، کچھ تقسیم کرتا ہے اور کوئی وہ مقام ہوتا ہے جہاں علم پھیلایا نہیں جاتا بلکہ حاصل کیا جاتا ہے۔

وہاں آدمی عطا کے لئے نہیں جاتا بلکہ فیض کے لئے جاتا ہے۔

بنانے کے لئے نہیں جاتا بننے کے لئے جاتا ہے۔

یہ مقام کون سا ہے:

یہ وہ مقام ہے جہاں سے علماء بنتے ہیں۔

لاہور والے بات کر سکتے ہیں ہمارے پاس پیکول ہے

لائل پور والے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے پاس کوہ نور کی مل ہے، کپاس لے کر جاؤ تو لٹھا بن جاتا ہے۔

دیپال پور والے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے پاس وہ مل ہے جاہل لے کر آؤ تو عالم بن جاتا ہے۔

نعرہ تکبیر اللہ اکبر

نعرہ رسالت یا رسول اللہ

عالم بنانا مشکل ہے:

اور سب سے بڑی بات لٹھا بنانا آسان ہے۔۔۔۔۔سائیکل بنانا آسان ہے۔۔۔۔۔مشین بنانی آسان ہے۔۔۔۔۔سواری بنانا آسان ہے۔۔۔۔۔تصویر بنانی آسان ہے۔۔۔۔۔میں کہتا ہوں کتاب بنانا آسان ہے۔۔۔۔۔دیوان بنانا آسان ہے۔

انسان کو انسان بنانا بڑا مشکل ہے

جاہل کو عالم بنانا بڑا مشکل ہے

عالم کو سنی بنانا بڑا مشکل ہے

یہاں تعریف والے بنتے ہیں:

یہاں صرف عالم نہیں بنتے، تنقیص والے نہیں بنتے، تعریف والے بنتے ہیں۔

اعتراض والے نہیں بنتے، اعتراف والے بنتے ہیں۔

نکتہ چینی والے نہیں بنتے، آفرینی والے بنتے ہیں۔

عیب دیکھنے والے نہیں بنتے، حسن دیکھنے والے بنتے ہیں۔ نکتہ چینی والے یہاں نہیں آسکتے، یہاں پھٹک نہیں سکتے، ان کا یہ مقام نہیں ہے۔

یہاں نکتہ چین نہیں نکتہ آفرین ہیں۔

یہاں تخریبی نہیں تعمیری ہیں۔

غیر نہیں یار ہیں۔

بدعقیدہ نہیں سنی ہیں۔

عظیم مقام ہے:

بڑا عظیم مقام ہے میں اس مقام پر ناز کرتا ہوں اور اللہ کی قدرت حضرت نے مقام بنایا تو کہاں بنایا۔ یہ سڑک کب بنی اس وقت سے میں نے اب دیکھی۔ حسن و جمال عمارت کا یہ اب دیکھا۔

میں نے وہ مقام بھی دیکھا جب مسجد چھوٹی تھی، میں نے وہ مقام بھی دیکھا جب سڑک کچی تھی، میں نے وہ مقام بھی دیکھا جب یہ کمرے موجود نہیں تھے۔

لاہور کی دو عمارتیں اور تقابل:

لیکن میں کیا کروں میرے سامنے دو مثالیں موجود ہیں۔ میں لاہور جاتا ہوں دو عمارتیں دیکھتا ہوں۔ ایک عمارت ہے، مرغ زار ہے، پر بہار ہے، پھولوں کی نمائش ہے۔۔۔۔۔ سبزہ زار ہے۔۔۔۔۔ عمارت شاندار ہے۔۔۔۔۔

فن تعمیر کا شاہکار:

فن تعمیر کا شاہکار ہے۔۔۔۔۔ اور جہانگیر بادشاہ کا مزار۔۔۔۔۔ میں نے وہاں جا کر دیکھا کوئی چائے پی رہا ہے، کوئی تفریح کر رہا ہے، بچے کھیل رہے ہیں، عورتیں تفریح کرتی ہیں۔

کوئی گنبد پر چڑھ گیا، کوئی منارے پر چڑھ گیا۔ کسی نے کہا مینار بڑا شاندار ہے، کسی نے کہا گنبد شاندار ہے۔ کسی نے کہا مزار شاندار ہے۔ یہ کوئی نہیں کہتا جو اندر لیٹا ہوا ہے اس کا کیا حال ہے۔

عمارت دیکھنے والے بڑے ہیں، عمارت والے کو کوئی نہیں دیکھتا۔

گنبد کو دیکھتے ہیں گنبد والے کو کوئی نہیں دیکھتا
مزار کو دیکھتے ہیں صاحب مزار کو کوئی نہیں دیکھتا

گنبد کی تعریف کرتے ہیں، جہانگیر کی تعریف کوئی نہیں کرتا۔

جب میں نے شاہی کا یہ انجام دیکھا تو میں سراپا عبرت بن گیا۔ میں نے کہا بادشاہ یہ تیرا حال ہے کہ لوگ پتھر کو دیکھتے ہیں۔

لوگ محرابوں کو دیکھتے ہیں
لوگ عمارت کو دیکھتے ہیں
لیکن تیرے لئے کوئی فاتحہ نہیں پڑھتا
جوتوں سمیت قبر پر چڑھ جاتے ہیں۔

تیری قبر کو لوگوں نے تفریح گاہ بنا لیا ہے۔۔۔۔۔ کوئی سیر کرتا ہے۔۔۔۔۔ کوئی ریڈیو بجاتا ہے۔۔۔۔۔ کوئی چائے پیتا ہے۔۔۔۔۔ کوئی کھانا کھاتا ہے۔

تمہیں کوئی نہیں یاد کرتا یہ عبرت کا مقام ہے، شاہی کا انجام ہے اور میں نے کہا:

اے فقر عمارت کی ویرانی و بربادی
اس گوشۂ عبرت میں سوتا ہے نہیں کیسا

دوسری عمارت کا حال:

میں نے دیکھا دوسری عمارت، اسے کلر لگا ہوا ہے۔۔۔ چونا اس کا گر رہا ہے۔۔۔۔۔ کہیں اس کا کوئی نہیں۔۔۔۔۔ چوب دار کوئی نہیں۔۔۔۔۔ گل بوٹا کوئی نہیں۔۔۔۔۔ دیوا بتی کوئی نہیں۔۔۔۔۔ شمع وہاں کوئی نہیں۔۔۔۔۔ پروانہ وہاں کوئی نہیں۔۔۔۔۔ حد وہاں کوئی نہیں۔۔۔۔۔ نقش و نگار وہاں کوئی نہیں۔۔۔۔۔ باغ و بہار وہاں کوئی نہیں۔۔۔ ارے عبرت کا مرقع ہے غربت کی تسکین ہے۔۔۔۔۔ مینار اس کا پرانا ہے۔۔۔۔۔ عمارت پر نحوست ہے۔

میں نے پوچھا کس کا مزار ہے۔

کہا یہ ہندوستان کا بادشاہ ہے۔ یہ ہندوستان کے بادشاہ کی بیٹی نور جہاں کا مزار ہے۔

مزار کا کیا حال ہے:

اس کے مزار پر کیا لکھا ہے:

در مزار ما غریباں نے چراغ نے گلے
نے پر پروانہ سوزم نے صدائے بلبلے

نہ کوئی بلبل ہے۔۔۔۔۔ نہ کوئی شمع ہے۔۔۔۔۔ نہ کوئی دیوا ہے۔۔۔۔۔ نہ چراغ ہے۔۔۔۔۔ نہ حجاب ہے۔۔۔۔۔ نہ نقیب ہے

۔۔۔۔۔نہ سبزہ زار ہے۔۔۔۔۔نہ مرغ زار ہے۔۔۔۔۔نہ شوکت ہے۔۔۔۔۔نہ شاہی ہے۔غربت کی تصویر ہے اور نور جہاں کا مزار ہے۔

یہاں داتا کا عرس ہے:

میں نے وہ بھی حال دیکھا اور جب میں آ گیا اور بڈھے دریا کے پاس گیا

کار پہ سوار ہو کے گیا

سپاہی نے کہا، ہالٹ! کار روک دو۔

اس نے کہا نیچے اترو

میں نیچے اترا

کہنے لگا پیدل چلو

میں نے کہا! کیوں؟

کہنے لگا آگے ٹریفک بند ہے

میں نے پوچھا: کیا وجہ ہے؟

کہنے لگا! ہجوم زیادہ ہے

کار آگے نہیں جا سکتی

کار کا سوار آگے نہیں جا سکتا

پیدل کے لئے رستہ ہے

کار والے کے لئے رستہ نہیں

ہجوم زیادہ ہے جگہ تنگ ہے

مجمع زیادہ ہے جگہ تنگ ہے

میں نے پوچھا بات کیا ہے

کہنے لگا داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا عرس ہو رہا ہے۔

اللہ ہو کے نعرے۔۔۔مستی کا عالم:

جہانگیر کا مزار ہے سراپا انکسار ہے۔نور جہاں کا مزار ہے وہاں کوئی چراغ کوئی دیا نہیں کوئی بتی نہیں۔تخت شاہی نہیں، کوئی شوکت شاہانہ نہیں۔کوئی کروفر نہیں۔

آگے گیا تو میں نے دیکھا

کار والے بے کار ہیں

وزیر بھی وہاں پیدل ہیں

بادشاہ بھی پیدل ہیں

سیکرٹری بھی پیدل ہے

سامان والا بھی پیدل ہے

اللہ ہو کے نعرے ہیں

مستی کا عالم ہے

سرنگوں سارے ہیں۔نیاز دینا چاہتے ہیں۔خواجہ کے مزار پہ بھی جاتے ہیں۔

میں نے سمجھا مزار بڑا اونچا ہوگا۔عمارت بڑی عظیم ہوگی، جہاں لوگ چل کر جاتے ہیں۔

وہاں جا کر دیکھا چھوٹا سا مزار ہے، جگہ بہت تھوڑی، لیکن صاحب مزار اتنا بڑا ہے کہ مزار دیکھنے کی فرصت کسے ملتی۔

ارے یار کا حسن ایسا ہے کہ لباس دیکھنے کی فرصت نہیں

خوبی پیرہن ہوئی رونق جسم نازنین

اور بھی شوخ ہو گیا رنگ ترے لباس کا

یار سے لباس سجتا ہے:

لوگ کہتے ہیں کہنے والے کہتے ہیں کہ لباس سے تیرا یار سجتا ہے۔

حسرت نے کہا یار کا مذاق اڑاتے ہو۔ یار کو لباس کا محتاج بناتے ہو۔

ارے لباس سے یار نہیں سجتا بلکہ یار سے لباس سجتا ہے۔

ارے وہ حسن کیا جو لباس کا محتاج ہو

وہ حسن کیا جو محتاج آرائش ہو۔

حسن وہ حسن ہے کہ اس سے لباس سج جائے وہ لباس سے نہ سجے۔

ابھی تعریف حاجی صاحب کر رہے تھے کہ مدینے پاک کی شان، شان مدینہ اور خانہ کعبہ کی شان

گفت معشوقے بعاشق اے خدا

چوں بہ غربت دیدہ ای

عاشق کے لئے شہر محبوب کی عظمت:

کسی نے کہا اے عاشق رسول! اے عشق بے نوا، تو سیاہ آوارہ گرد، تم زمین پہ بیٹھے ہو، وہ جنت میں بیٹھا ہے، تو کیا کر رہا ہے۔ ارے پوری دنیا کو دیکھا، لندن کو دیکھا، شام کو دیکھا، روم کو دیکھا، اردن کو دیکھا، لبنان کو دیکھا، جاپان کے شہر ٹوکیو کو دیکھا، ستر منزلہ عمارت کو دیکھا۔

تو نے دنیا کے سارے شہروں کو دیکھا

مجھے بتا خوبصورت شہر کون سا ہے؟ جہاں میرا یار رہتا ہے۔

کہنے لگا خوبصورت شہر تو وہ ہے جہاں میرا یار رہتا ہے۔

خوبصورت شہر وہ ہے جہاں میرا محبوب رہتا ہے۔

خوبصورت شہر وہ ہے جہاں میرا حبیب رہتا ہے۔

خواہ وہ شہر کچا ہے، خواہ وہ شہر پکا ہے۔ خواہ سڑک کوئی نہیں، خواہ دریا کوئی نہیں۔ خواہ کوئی بلند عمارت وہاں نہیں ہے۔ خواہ کوئی مینار وہاں نہیں ہے۔ فیکٹری بھی کوئی نہیں، کارخانہ بھی کوئی نہیں۔

میرا یار وہاں ہے تو سب کچھ وہاں ہے، شہر وہی شہر ہے جہاں میرا یار ہے، شہر وہی آباد ہے جہاں میرا یار ہے جہاں میرا یار نہیں، وہاں مرغزار نہیں، یار ہے تو حسن ہے، یار نہیں تو حسن نہیں، یار ہے تو شہر ہے، یار نہیں تو شہر نہیں، سڑکیں کون دیکھتا ہے۔ مکان کون دیکھتا ہے، ملیں کون دیکھتا ہے۔ میلہ کون دیکھتا ہے، سامان ہم نہیں دیکھتے ایمان دیکھتے ہیں، قال ہم نہیں دیکھتے حال دیکھتے ہیں، جسم ہم نہیں دیکھتے جان دیکھتے ہیں، اگر عمارت لینی ہے تو لاہور پنڈی جاؤ، اگر سیاست کرنی ہے تو لاہور پنڈی جاؤ، اگر لٹھا لینا ہے تو لائل پور جاؤ، اگر سامان لینا ہے تو لاہور جاؤ، اور اگر ایمان لینا ہے تو بصیر پور جاؤ۔

نعرہ تکبیر اللہ اکبر۔

نعرہ رسالت یا رسول اللہ ﷺ۔

یہاں سے دین ملتا ہے:

اپنا اپنا مال ہے، اپنی اپنی دوکان ہے۔

اپنے اپنے گاہک ہیں۔ اپنی اپنی طلب ہے اور اپنی اپنی جھولی ہے۔

کوئی گاہک کسی شے کا ہے اور کوئی گاہک کسی شے کا، سیاست والے پنڈی میں ہیں، غیرت والے کراچی میں، مکانوں والے لاہور میں، ثقافت والے لاہور میں، لٹھے والے لائل پور میں، پیکو والے لاہور میں، فقہ والے بصیر پور میں۔

حدیث والے یہاں ہیں

قرآن والے یہاں ہیں

فقہ والے یہاں ہیں

ایمان والے یہاں ہیں

رحمت والے یہاں ہیں

جنت والے یہاں ہیں

نجات والے یہاں ہیں

شفاعت والے یہاں ہیں

محبت والے یہاں ہیں

عقیدت والے یہاں ہیں

جہاں جاؤ گے وہاں سے کچھ حاصل کرو گے

اگر تم پنڈی جاؤ گے تو سیاست لو گے

اگر تم کراچی جاؤ گے تو تجارت کرو گے

اگر تم لاہور جاؤ گے تو کرو گے شرارت

اگر تم لائل پور جاؤ گے تو لاؤ گے لٹھا

اگر بصیر پور آؤ گے، جاہل بن کے آؤ گے اور عالم بن کے جاؤ گے۔

برے بن کے آؤ گے تو اچھے بن کے جاؤ گے۔ اندھے بن کے آؤ گے تو بینا بن کے جاؤ گے۔ بے ذوق آؤ گے تو صاحب ذوق بن کے جاؤ گے۔

علم لینے والے کو علم دیتے ہیں:

ڈیرہ کہاں لگایا ہے۔ یہ لوگ ذرا آزماتے ہیں۔ ٹھونک بجا کر دیکھتے ہیں، امتحان لیتے ہیں، بندے کو پرکھتے ہیں، جو شکل پسند ہو اسے علم دے دیتے ہیں۔

لاہور میں ڈیرہ لگایا نہیں، لائل پور لگایا نہیں، شہر میں ڈیرہ لگایا نہیں، سٹیشن پر ڈیرہ لگایا نہیں، پکی سڑک دور ہے، ٹریفک کی سہولت نہیں، یہاں پہنچنا مشکل ہے، ڈیرہ کہاں لگایا ہے بصیر پور، یہاں آنا مشکل ہے، موسم یہاں مشکل ہے، ظاہری تکلیف ہے دل کو آرام ہے، جسم کو تکلیف ہے دل کو آرام ہے، اوپر اوپر سے دور ہے اندر سے نزدیک ہے، جو دکھ برداشت کرتا ہے وہی سکھ پاتا ہے۔ دکھ کے بعد سکھ ہے۔

رات کے بعد سحر ہے

خزاں کے بعد بہار ہے

سفر کے بعد بصیر پور ہے

میں یہاں تقریر کرنے نہیں آیا، تقریر سننے آیا ہوں۔

ذوق دینے نہیں آیا ذوق لینے آیا ہوں۔

میرا ایمان ہے، جہاں خدا کا بندہ بیٹھ جائے، علم اور بات ہے۔ اگر میں سائنس جاننے والا ہوتا، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ایمان کیسے ملتا ہے اور کہاں سے ملتا ہے، بی اے پاس کم ہیں، ایم اے پاس کم ہیں، ڈگری والے کم ہیں، پی ایچ ڈی والے کم ہیں، اگر میں یہ پوچھوں کہ ڈگری کس کے پاس ہے تو تم جواب دو گے کوئی نہیں۔ ڈی ایس پی کون ہے؟ کوئی نہیں،

مل والا کون ہے؟ کوئی نہیں

کارخانے والا کون ہے؟ کوئی نہیں

تمہارے پاس سامان کتنا ہے؟ کوئی نہیں

آپ کے پاس ایمان ہے:

لیکن مجھے پکا یقین ہے کہ آپ ایمان والے ضرور ہیں، اس میں کوئی شک نہیں، جیبیں آپ کی خالی ہیں لیکن دل بھرے ہوئے ہیں۔

اوپر سے آپ بہت سارے ہیں لیکن اندرون پر کار ہیں۔

دماغ آپ کے چھوٹے ہیں دل آپ کے بڑے ہیں۔

قال خواہ کم ہے حال بہت زیادہ ہے۔

سامان والوں سے بھاگ کر آیا ہوں:

سامان وغیرہ کوئی نہیں صرف ایمان ہے اور میں سامان والوں سے بھاگ کر ایمان والوں کے پاس آیا ہوں۔

جسم والے سے بھاگ کر جان والے کے پاس آیا ہوں۔

باطل والے سے بھاگ کر حق والے کے پاس آیا ہوں۔

ظاہر والے سے بھاگ کر باطن والے کے پاس آیا ہوں۔

دنیا والے سے بھاگ کر دین والے کے پاس آیا ہوں اور یہ دعا کر کے آیا ہوں کہ یا اللہ دنیا میں بھی انہی کے ساتھ رکھ اور قیامت میں بھی ان کے ساتھ اٹھانا، بات دور تک چلی گئی ہے لیکن کرنی پڑتی ہے۔

خواجہ نور محمد مہاروی کا واقعہ:

میرے آقا میرے مولا خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پاک زبان ملتان کی شہر بہاولپور کا ہے۔

آپ شہر سے گزر رہے ہیں، سنگترے والا سنگترے بیچ رہا تھا، اس کی بولی اپنی تھی، ہم کہتے ہیں سنترہ، وہ کہتے ہیں سنگترہ۔

اس نے اپنی زبان میں کہا، چنگے سنگ ترے، چنگے سنگ ترے۔ وجد ہو گیا۔ عشق بڑھ گیا۔ دل پر چوٹ لگی اور آپ بے ہوش گئے۔

اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔

حضرت بے ہوش ہو گئے:

مرید آ گئے، کسی نے پانی کے چھینٹے مارے، کسی نے پاؤں دبانے، کسی نے منہ پر چھینٹے مارے۔

جب گھنٹے بعد ہوش آئی تو کہا میرے یار کا پیغام دینے والا کہاں ہے؟

اچھے سنگ ترے:

رازِ حیات بیان کرنے والا کہاں ہے۔

رازِ نجات بیان کرنے والا کہاں ہے۔

سراغ منزل دینے والا کہاں ہے۔

چراغ منزل دینے والا کہاں ہے۔

لوگوں نے پوچھا آپ کس کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ آپ نے کہا جو یہاں سنترے بیچ رہا تھا۔

وہ کیا کہہ رہا ہے! ''چنگے سنگ ترے''۔

چنگا سنگ کر لیا:

جس نے چنگا سنگ کر لیا اس کا بیڑا پار ہو گیا

جس کے پاس بیٹھ گیا اسی جیسا ہو گیا

جس کے ساتھ لگ گیا اسی جیسا ہو گیا

جس جیسا ہو گیا اسی کے ساتھ قیامت کو ہو گا

یہاں میں بتاؤں گا تم کس کے ساتھ ہو

یہاں میں بتاؤں گا تمہارا مقام کیا ہے

یہاں میں بتاؤں گا تمہاری نجات ہو گی یا نہیں

دودھ کی مثال:

دودھ کی قیمت بارہ آنے کلو ہے۔ رنگ اس کا سفید ہے۔ اس کی خوشبو بہترین ہے۔ دودھ قیمت والا ہے۔ بارہ آنے کلو ہے۔

دودھ جب گاؤں سے چلا تو قیمت بارہ آنے کلو۔

برتن میں ڈالا گیا تو قیمت بارہ آنے کلو۔

سر پر اٹھایا برتن میں چار کلو دودھ تھا۔

گھر سے دودھ روانہ ہوا تو چار کلو تھا۔

گاؤں سے نکلا تو گوالے کے پاس دودھ چار کلو تھا۔

بصیر پور کی طرف چلا تو دودھ چار کلو تھا

جب نہر کے پاس گیا تو دودھ چار کلو تھا۔

جب نہر کو پار کر لیا تو دودھ ساڑھے چھ سیر۔

دودھ کا رنگ کیسا ہے:

میرا مطلب یہ نہیں کہ دودھ میں پانی نہ ڈالو۔ میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ پانی نے دودھ سے کہا۔

دودھ برتن میں ہے، پانی نہر میں ہے۔

دودھ رنگ والا ہے، پانی بے رنگا ہے۔

دودھ قیمت والا ہے، پانی بے قیمت ہے۔

دودھ اونچا ہے، پانی نیچا ہے۔

دودھ سر پر ہے، پانی پاؤں میں ہے۔

پانی کو جانور بھی پی رہے ہیں، کتے بھی پی رہے ہیں، اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ رنگ اس کا کوئی نہیں، مزہ اس کا کوئی نہیں، خوشبو اس میں کوئی نہیں۔ پانی پاؤں میں ہے اور دودھ سر کے اوپر ہے۔

دودھ کا پانی سے مکالمہ:

پانی نے کہا دودھ سے کہ تیرا مقام بلند ہے اور میرا مقام پست ہے۔

تیرے پاس عزت ہے اور میں بے عزت ہوں۔

تیرے پاس رنگ ہے میں بے رنگ ہوں۔

تیرے پاس مزا ہے میں بے مزا ہوں۔

تیری تو قیمت ہے میں بے قیمت ہوں۔

مقام میرا کوئی نہیں۔

قیمت میری کوئی نہیں۔

تم سر پر ہو میں پاؤں میں ہوں۔

تیرا رنگ سفید ہے میں بے رنگ ہوں۔

پانی نے پوچھا اے رنگ والے اگر میں تیرے ساتھ شامل ہو جاؤں تو کیا مجھے رنگ دو گے؟

تم خوشبو والے ہو اور میں بے خوشبو ہوں۔ اگر میں تیرے ساتھ لگ جاؤں تو تم مجھے خوشبو دو گے۔

تیری قیمت ہے اور میری کوئی قیمت نہیں لیکن اگر میں تیرے ساتھ شامل ہو جاؤں تو میری قیمت بن جائے گی۔

اس کی بے بسی دیکھی تو دودھ کو رحم آ گیا اور دودھ نے پانی سے کہا:

''تو بے رنگ و بے قیمت ہے لیکن اگر میرے ساتھ شامل ہو جائے تو قیمت ضرور بن جائے گی''۔

چنگیاں نال یرانہ لا کے چنگا مُل پے جاندا

دودھ دے بھا ای وک جاندا اے! دودھ دچ پانی مل کے

اگر ساتھ شامل نہ ہو تو تو مرید نہیں ہے اور اگر میں ساتھ لگنے کے بعد تیری قدر و قیمت نہ بڑھا دوں تو میں پیر نہیں۔

صحبت کرنی تیرا کام ہے اور قیمت بڑھانا میرا کام ہے۔

میرے گھر آنا تیرا کام ہے تجھے اونچا کرنا میرا کام ہے۔

اگر تو نزدیک نہ آئے تو مرید نہیں، اگر تیری قیمت نہ بڑھاؤں تو پیر نہیں اور اگر تم بصیر پور نہ آؤ قریب نہ آؤ اور نزدیک نہ آؤ تو تم مرید نہیں۔ اور اگر آپ کو نزدیک آنے کے بعد یہ نیک وفقیہہ نہ بنا دیں تو پیر نہیں۔ میری بات کی تصدیق چاہتے ہو تو ان سے پوچھ لو کہ یہ فقیہہ

بنے ہیں یا نہیں۔

نعرہ تکبیر اللہ اکبر

نعرہ رسالت یارسول اللہ

ابھی دستار بندی ہو رہی ہے ان سے پوچھ لو کہ بنے ہیں یا نہیں۔

فقیہہ کیسے بنتا ہے؟

فقیہہ کیسے بنتے ہیں یہ بھی پوچھ لو۔

موسم ساون بھادوں کا، موجیں بڑی اونچی ہیں بھنور بڑا تیز ہے۔ دریا بہت چوڑا ہے، رات بہت کالی ہے، ساحل بڑا دور ہے اور کشتی بالکل اکیلی ہے، آدمی کشتی میں بیٹھے، موجوں سے کھیل رہی ہے بھنور سے کھیل رہی ہے۔ گہرے دریا کا مذاق اڑائے، گہرے دریا کی پرواہ نہ کرے اور خراماں خراماں جا رہی ہے، جو اس پر سوار ہو گیا اسے کشتی نے منزل آشنا کر دیا، جو اس پر سوار نہ ہوا اسے ڈوبنا پڑا۔

کشتی کے قریب سے کیکر کا ستون گزرا۔ یہ فقیہہ اعظم کشتی ہیں اور ہم کیکر کے ستون ہیں۔

شکل ہماری کوئی نہیں، مقام ہمارا کوئی نہیں، عمل ہمارا کوئی نہیں۔

فقیہہ زیادہ ہوں گے:

میرے کملی والے کے صحابی ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ارشاد فرمانے لگے:

آج کے دور میں فقیہہ زیادہ ہیں واعظ کم ہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے۔ حضرت ابوذر نے کہا، عطا کرنے والے زیادہ ہیں، مانگنے والے کم ہیں۔

اس وقت عمل کی ضرورت ہے، عمل کی ضرورت ہے، عمل کرو عمل کرو۔

کچھ وقت بعد ایسا دور آئے گا جب واعظ بہت زیادہ ہوں گے اور فقیہہ کوئی نہیں ہوگا۔

فرمایا واعظ زیادہ ہوں گے، فقیہہ کم ہوں گے۔

مانگنے والے زیادہ ہوں گے اور عطا کرنے والے کم ہوں گے۔ دعا کریں خدا اس زمانے کے شر سے بچائے۔

واعظ زیادہ ہیں فقیہہ کم:

اب وہ زمانہ آ چکا ہے کہ واعظ بہت زیادہ ہیں فقیہہ بہت کم ہیں۔

سائل یہاں زیادہ ہیں دینے والا کوئی نہیں۔

یہ زمانہ علمی زوال کا زمانہ ہے، علم حاصل کرنے کا مقام ہے، شمع علم جلانے کا مقام ہے، علم کی روشنی تقسیم کرنے کا مقام ہے اور علم کا بڑا مقام ہے اور بڑی شان ہے اور اے میرے دوست اس کا اتنا مقام ہے۔

معیار تبدیل ہو گیا:

جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔ ایک ہزار جنازہ پڑھو

ایک ہزار مریض کی عیادت کرو۔۔۔۔۔ کتنا ثواب ہے؟

کبھی آپ مریض کی خبر گیری کے لئے گئے ہیں؟

آپ بتائیں کہ کیا آپ نے کبھی کسی کی خبر گیری کی؟

مجھے پتہ ہے کہ آپ خبر گیری کے لئے جاتے ہیں وہ بندہ کس قسم کا ہو جس کی بڑی سی کوٹھی ہو اور لمبی سی گاڑی ہو۔ جس کے پاس دولت بہت زیادہ ہو۔ جس کے لڑکے بہت سے ہوں، جس کے پاس ڈنڈا مضبوط ہو، جو کبھی حلال نہ کھاتا ہو، حرام کبھی نہ چھوڑنے والا ہو، کبھی مسجد میں نہ آنے والا ہو، سینما کبھی چھوڑے نہ، سچ کبھی نہ بولے، جھوٹ کبھی نہ چھوڑے، جو اللہ کو کبھی یاد نہ کرے، جو بہت بڑا دنیا دار ہو۔

امیر کے گھر سب جاتے ہیں:

پھر وہ بیمار نہ ہو بلکہ اس کا کتا بیمار ہو جائے تو سارا گاؤں خبر لینے کے لئے جاتا ہے کہ چوہدری صاحب آپ کے کتے کی طبیعت کیسی ہے؟

کتا ہے امیر کا۔۔۔۔ کتا ہے رئیس کا۔۔۔۔ کتا ہے مال دار کا۔۔۔۔ کتا ہے کاروالے کا۔

مسجد میں جو آتا نہیں۔۔۔۔ نماز کبھی پڑھتا نہیں۔۔۔۔ حلال جو کھاتا نہیں۔۔۔۔ حرام جو چھوڑتا نہیں۔۔۔۔ جھوٹی گواہی دینے والا

۔۔۔رشوت لینے والا۔

اب اس کا کتا بیمار ہو گیا۔ سب گاؤں والے کہہ رہے ہیں کہ چوہدری صاحب کے کتے کی طبیعت کیسی ہے۔

کوئی کار پر آ رہا ہے۔۔۔کوئی گھوڑے پر آ رہا ہے۔۔۔کوئی پیدل آ رہا ہے۔۔۔کوئی سوار آ رہا ہے۔۔۔سب کتے کی طبیعت پوچھ رہے ہیں۔

وزیر کا کتا بیمار ہو گیا:

کتا ہو وزیر کا۔۔۔وزیر با تدبیر کا، ہم ہیں مولوی، خواہ الیکشن میں کامیاب ہوتے ہیں یا نہیں لیکن کامیاب ہیں، وزیر ختم ہو گئے ۔۔۔امیر ختم ہو گئے۔۔۔رئیس ختم ہو جائیں گے۔۔۔سرمایہ دار ختم ہو جائیں گے۔۔۔ظالم ختم ہو جائیں گے۔۔۔جاہل ختم ہو جائیں گے۔۔۔مولوی اپنے مقام پر قائم رہے گا۔

ہمارا کام اصلی ہے۔۔۔ہمارا کام ازلی ہے۔۔۔ہمارا کام ابدی ہے، قرآن والے ہم ہیں۔۔۔خدا والے ہم ہیں ۔۔۔رسول والے ہم ہیں۔۔۔دین والے ہم ہیں۔۔۔اسلام والے ہم ہیں۔۔۔ایمان والے ہم ہیں۔۔۔ایمان والے ہم ہیں ۔۔۔صدق والے ہم ہیں۔۔۔اہل بیت والے ہم ہیں۔

قرآن والے ہم ہیں:

صحابہ والے ہم ہیں۔۔۔اولیاء والے ہم ہیں۔۔۔فرشتوں والے ہم ہیں۔۔۔نجات والے ہم ہیں۔۔۔شفاعت والے ہم ہیں۔۔۔دین والے ہم ہیں۔۔۔حق والے ہم ہیں۔۔۔حیات والے ہم ہیں۔۔۔نجات والے ہم ہیں۔۔۔

الیکشن کی ایسی تیسی۔۔۔انتخاب کی ایسی تیسی ۔۔۔ووٹ کی ایسی تیسی۔۔۔ووٹ کی ایسی تیسی۔۔۔ووٹ خواہ ملے نہ ملے۔۔۔سچ پر ہم ہیں۔۔۔دنیا خواہ کہیں ووٹ دے۔۔۔ہم حق پر ہیں۔۔۔جب تک ہم ہیں دنیا ہماری ہے ۔۔۔جب علم نہ ہو گا دنیا ختم ہو جائے گی۔

قرآن ہمارے پاس ہے۔ یہ میں کیوں کہہ رہا ہوں، ذاتی طور پر نہیں بلکہ عطائی طور پر ہے۔

قرآن ہے تو دنیا ہے۔

خدا ہے تو دنیا ہے۔

رسول ہے تو دنیا ہے۔

سب کچھ مولوی کے پاس ہے:

اور آپ بتائیں خدا والا کون ہے مولوی!

قرآن والا کون ہے مولوی!

رسول والا کون ہے مولوی!

ایمان والا کون ہے مولوی!

نجات والا کون ہے مولوی!

اذان والا کون ہے مولوی!

نماز والا کون ہے مولوی!

جنازے والا کون ہے مولوی!

پیغام والا کون ہے مولوی!

تعبیر والا کون ہے مولوی!

غرضیکہ مولوی ہے تو دنیا ہے، جب مولوی نہ ہوا تو دنیا باقی نہ رہے گی۔

وزیروں کا انجام:

مربعے ختم ہو جاتے ہیں۔۔۔گھوڑے وغیرہ ختم ہو جاتے ہیں۔۔۔سامان ختم ہو جاتا ہے۔۔۔کاریں ختم ہو جاتی ہیں۔۔۔سیاست ختم ہو جاتی ہے۔۔۔مولوی ہے تو کامیاب ہے۔

جنہیں حقیر سمجھ کے بجھا دیا تو نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

خدا کہاں سے لو گے؟

مصطفیٰ ﷺ کہاں سے لو گے؟

رنگ کہاں سے لو گے؟

شفا کہاں سے لو گے؟

نجات کہاں سے لو گے؟

یہی چراغ جلیں گے:

قرآن کہاں سے لائے گا، مولوی کے علاوہ کسی کو آتا ہے۔

سنت کون بتائے گا؟

نجات کون سمجھائے گا؟

حق کون بتائے گا؟

ضابطہ کون بتائے گا؟

شیطان سے کون بچائے گا؟

جہنم سے کون ہٹائے گا؟

جنت کی طرف کون بلائے گا؟

خدا کا پیغام کون سنائے گا؟ ارے

جنہیں حقیر سمجھ کے بجھا دیا تو نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

جن لوگوں کا آپ نے مقام نہیں پہچانا۔ جن لوگوں کے بغیر آپ کا کوئی کام نہیں چلتا۔

مولوی اکٹھے ہو گئے:

تحریک ختم نبوت میں ہم تقریباً تمام علماء قید ہو گئے۔ مولوی کو ڈنڈے مارے گئے۔ مولوی پر تشدد کیا گیا۔

میں آپ سے سوال کرتا ہوں کبھی کوئی سیاست دان بھی قید ہوا، اس پر کبھی تشدد ہوا۔ کبھی سیاستدان بھی اکٹھے ہوئے، باقی پارٹیوں کو چھوڑو۔

ہم اصولوں پر اکٹھے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ ہم کبھی بے اصولی پر اکٹھے نہیں ہوتے۔

میں آپ کے سامنے وہ مولوی بھی پیش کروں گا جن کے لئے جو صبح حلال ہے شام کو حرام ۔۔۔۔۔ جو شام کو حرام ہے صبح کو حلال ہے۔

صبح حرام شام کو حلال:

کبھی عین قرآن، کبھی قرآن کے عین خلاف

کبھی کہتے ہیں اس سے ملنا عین حرام ہے۔۔۔۔ کبھی عین ایمان ہے۔ میں مولوی کا نام نہیں لینا چاہتا لیکن مجھے کہنا پڑے گا ہمیں نقصان اس نے پہنچایا، جس نے کہا کمیونزم عین اسلام ہے، سوشلزم عین اسلام ہے اور یہ عین قرآن کی روح ہے۔

قرآن پڑھ پڑھ کے، حدیثیں پڑھ پڑھ کے، سوشلزم کو اسلام کہہ کہہ کے اور اسے حلال قرار دے دے کر جب مال نہ ملا تو کہنے لگے یہ تو حرام ہے، یہ کفر ہے، یہ غلط ہے۔

لوگوں نے پوچھا، مولوی جی صبح حلال شام حرام۔۔۔۔ شام کو حلال صبح کو حرام۔ آپ آدمی ہیں یا جن؟

آپ اتنی جلدی بدل جاتے ہیں، الیکشن لڑ کے حلال کو حرام قرار دے کر حرام کو حلال بنا کے، ہمیں مصیبت میں پھنسا کے، دین کے معنی بدل کے، قرآن کے معنی بدل کے۔

جب صوبہ سرحد میں حکومت بنانے کی ضرورت پڑی تو فتویٰ تبدیل ہو گیا کہنے لگے حلال ہے، حلال ہی نہیں جائز ہے، جائز ہی نہیں ثواب ہے، اس کا مل جانا اچھا ہے۔

اب اخباروں میں پڑھو سمجھوتہ کس کس کا ہو رہا ہے۔ ولی خان کس کا بیٹا؟ عبدالغفار خاں کا۔ عبدالغفار کس کا بیٹا، گاندھی کا مجھے کہنا پڑے گا سرحدی گاندھی۔

پاکستان کو تسلیم نہیں کیا:

میرے دوستو! مجیب کا کیا جرم ہے، تقسیم پاکستان اور پاکستان کو تقسیم مجیب نے تو اب کیا ہے۔ یہ تو وہ ہیں جنہوں نے پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا۔ انہوں نے کہا قوم ایک ہے، قوم نسل سے بنتی ہے۔

اگر والد ایک ہے تو قوم ایک ہے۔

والدہ ایک ہے تو قوم ایک ہے۔

نسل ایک ہے تو قوم ایک ہے۔

وطن ایک ہے تو قوم ایک ہے۔

زبان ایک ہے تو قوم ایک ہے۔

یہ آپ جانتے ہیں کہ جواہر لعل نہرو نے کہا قوم بنتی ہے زبان سے

گاندھی نے کہا قوم بنتی ہے نسل سے

حسین احمد نے کہا قوم بنتی ہے وطن سے

اقبال تڑپ پڑا، اس نے کہا

سرود برسر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر زہ مقام محمد عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

اقبال تڑپ گیا، روح اقبال کو بڑی تکلیف ہوئی۔ یہ انہوں نے کہا کہ قوم بنتی ہے وطن سے، قوم بنتی ہے زبان سے، قوم بنتی ہے نسل سے، میرے کملی والے پر اترنے والے قرآن نے کیا کہا:

ان خلقنا من ذکر او انثی وجعلنکم من شعوب وقبائل تعارفوا ان عند اللہ اکرم اتقکم .

مقام عزت، مقام آبرو نسل کے ساتھ نہیں ۔۔۔۔ رنگ کے ساتھ نہیں ۔۔۔۔ زبان کے ساتھ نہیں ۔۔۔۔ قوم کے ساتھ نہیں ۔۔۔۔ وطن کے ساتھ بھی نہیں ۔۔۔۔ لباس سے بھی نہیں۔

تو یہ کس کے ساتھ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: اے کملی والے "ایمان دینا ہے بندہ بلاؤ"

دیکھیں بندہ آنے لگا ہے، دینے والا میں ہوں بلانے والے آپ ہیں، تخلیق میں کرتا ہوں تقسیم آپ کرتے ہیں۔ جسے آپ بلاتے ہیں اسے میں دیتا ہوں۔ جسے میں چاہتا ہوں آپ اسے بلاتے ہیں۔

زبان آپ کی ہوتی ہے کلام میرا ہوتا ہے۔

ہاتھ آپ کا ہوتا ہے گرفت میری ہوتی ہے

بازو آپ کا ہوتا ہے زور میرا ہوتا ہے

قبضہ آپ کا ہوتا ہے گرفت میری ہوتی ہے

تدبیر آپ کی ہوتی ہے تقدیر میری ہوتی ہے

حرف آپ کا ہوتا ہے ۔۔۔۔ آپ کا ہوتا ہے ۔۔۔۔ مرضی آپ کی ہوتی ہے ۔۔۔۔ غصہ آپ کا ہوتا ہے ۔۔۔۔ جہنم میرا ہے ۔۔۔۔ اوپر سے آپ ہیں اندر سے میں ہوں ۔۔۔۔ ایمان دینا ہے بندہ تو بلاؤ ۔۔۔۔ بندہ کون سا آیا۔

گورا نہیں کالا نہیں ۔۔۔۔ جٹ نہیں کمی نہیں ۔۔۔۔ سامان والا نہیں ایمان والا ۔۔۔۔ عربی نہیں حبشی ۔۔۔۔ آزاد نہیں غلام ۔۔۔۔ قوم کا حبشی ۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے لئے پسند کر لیا۔

جاہل یہاں آیا عالم بن گیا ۔۔۔۔ بے ذوق آیا صاحب ذوق بن گیا ۔۔۔۔ علم والے بیٹھے ہیں ۔۔۔۔ دین دلے بیٹھے ہیں ۔۔۔۔

فقہ والے بیٹھے ہیں۔۔۔شکل والے بیٹھے ہیں۔۔۔عقل والے بیٹھے ہیں۔۔۔ایمان والے بیٹھے ہیں۔۔۔قرآن والے بیٹھے ہیں۔۔۔نجات والے بیٹھے ہیں یہ سب یہاں تیار ہوئے ہیں۔

کسی نے بنائی مشین۔۔۔کسی نے بنایا لٹھا۔۔۔کسی نے بنایا سائیکل۔۔۔کسی نے بنائی کار۔۔۔انہوں نے بنائے علماء۔۔۔جاہل یہاں آیا تو صاحب علم ہوگیا۔۔۔بے ذوق آیا تو صاحب ذوق ہوگیا۔۔۔گنہگار آیا تو نیک بن گیا۔

لاہور میں مل لوہے کی ہے یہاں مل دل کی ہے۔

وہاں مل عقل کی یہاں مل ایمان کی۔

وہاں مل فانی ہے یہاں مل باقی ہے۔

مرید کا مطالبہ:

وہاں مل نقلی ہے یہاں مل اصلی ہے۔

اول تو آج کل مرید کوئی نہیں ہوتا لیکن اگر کوئی مرید ہو جائے مثلاً وہ بصیر پور آ کر مرید ہو جائے تو مرید فوری طور پر مطالبہ کرتا ہے کہ مجھے رات میں عبادت کے لئے نہ جگائیں مجھے ایسے ہی ولی بنا دیں۔۔۔داڑھی بڑھانے کے لئے نہ کہیں مجھے ویسے ہی ولی بنا دیں۔۔۔تہجد نہ پڑھائیں مجھے ویسے ہی ولی بنا دیں۔۔۔

اگر لکڑی مستری کے پاس جا کر کہے کہ میری چھال نہ اتارو مجھے ویسے ہی کشتی بنا دو۔میرے ٹکڑے نہ کرو مجھے ویسے ہی کشتی بنا دو۔کیل بھی نہ ٹھونکو مجھے ویسے ہی بنا دو۔تو ہم کہتے ہیں کہ آپ گھر کو جائیں ایسے تو نہیں بن سکتا۔

چھال اتروانی پڑے گی۔۔۔آری کے نیچے آنا پڑے گا،مار کھانا پڑے گی،کیل لگوانے پڑیں گے۔

ولی بننا ہے تو رات کو جاگنا پڑے گا،ریاضت کرنا ہوگی،محنت کرنا ہوگی،نفس کا مقابلہ کرنا ہوگا،حرام چھوڑنا ہوگا،حلال کھانا ہوگا،رات جاگنا ہوگا،نفس کا مقابلہ کرنا ہوگا۔دعا کریں کاریگر اچھا مل جائے۔

ایک واقعہ:

ایک واقعہ بیان کر رہا ہوں کسی پر اعتراض نہیں کر رہا۔یہاں کوئی مستری ہو تو مجھے معاف فرمائے۔ہمارے ہاں ایک مستری ہوا کرتا تھا۔یہ بات میرے گاؤں کی ہے آپ کے گاؤں کی نہیں۔وہ مستری بڑا کاریگر تھا۔وہ مکان بنا کے جب فارغ ہوتا تو گھر والوں سے کہتا کہ میں نے آپ کا نمک کھایا ہے۔آپ بہت اچھے لوگ ہیں میری اور آپ کی محبت ہے۔آج آپ کمرے میں داخل نہ ہوں۔کیونکہ جو مکان میں تعمیر کرتا ہوں وہ ایک دن کے اندر اندر گر جاتا ہے۔اگر یہ مکان مکمل ایک دن گزارے اور نہ گرے تو میری طرف سے اندر جانے کی اجازت ہے۔

دعا کریں کہ کوئی کاریگر بھی اچھا ہی ملے۔آپ بہت بھولے بھالے ہیں۔

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

آپ بہت بھولے بھالے ہیں کہ بہت جلد ہر کسی کے پیچھے ہو لیتے ہیں،کسی کے ہاتھ میں عصا دیکھا تو اس کے پیچھے ہو لئے۔

کسی کے سر پر پگڑی دیکھی تو اس کے پیچھے ہو لئے۔

کسی کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تو اس کے پیچھے ہو لئے۔

کاریگر اچھا ہو،کاریگر صحیح ہو تو پھر ریاضت سے۔۔۔نفس کشی کر کے کھال اتروائے تو پھر بات بنتی ہے۔

اگر ریاضت نہ کرے،عبادت نہ کرے،نفس کشی نہ کرے تو مرید نہیں اور پھر مصائب سے گزار کر عالم و عارف نہ بنائے تو پیر نہیں۔

حضرت بلال ؓ کعبہ کی چھت پر:

میں بات کر رہا تھا حضرت بلال ؓ کی جنہیں چن لیا حضور نے۔حضرت بلال ؓ کو ارشاد ہوا کہ بلال ؓ کعبے کی چھت پر چڑھ جاؤ اور اذان دو۔

کون بلال! جس کا رنگ کالا ہے۔

کون بلال! جس کے ہونٹ موٹے ہیں۔

کون بلال! جو عین کو الف کہتا ہے۔

کون بلال! جو شین کو سین کہتا ہے

جب بلال نے "اشھد" کی بجائے "اسھد" کہا تو سارے عرب ہنس پڑے کہ اس کی زبان درست نہیں۔ عین کو الف کہتا ہے۔ شین کو سین کہتا ہے "ط" کو "ٹ" کہتا ہے۔ آواز آئی! یہ غلطی محبت کی غلطی ہے۔

تم قال دیکھتے ہو میں حال دیکھتا ہوں۔

تم زبان دیکھتے ہو میں ایمان دیکھتا ہوں۔

تم جسم دیکھتے ہوں میں جان دیکھتا ہوں۔

تم اوپر سے دیکھتے ہو میں اندر سے دیکھتا ہوں۔

اس کی محبت پر تمہاری عقلیں قربان۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو حکم فرمایا کہ اے بلال کعبے کی چھت پر چڑھ جاؤ اسی کعبے پر۔

مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری بھی وہاں جائے گا۔۔۔۔ بادشاہ بھی جائیں گے۔۔۔۔ امراء بھی جائیں گے۔

بلال کو حکم ہوا کعبے کی چھت پر چڑھ جاؤ، اب بلال کعبے کی چھت پر ہے عرب سب نیچے ہیں حبشی کعبے کی چھت پر ہے۔

امیر سب نیچے ہیں غریب کعبے کی چھت پر ہے

گورے سب نیچے ہیں کالا کعبے کی چھت پر ہے

جٹ سب نیچے ہیں اور کمی کعبے کی چھت پر ہے

سامان والے نیچے ہیں ایمان والا کعبے کی چھت پر ہے

جب حضرت بلال کعبے ؓ کی چھت پر چڑھے، روس ابھی پیدا نہیں ہوا، ماؤزے تنگ ابھی پیدا نہیں ہوا، لینن ابھی پیدا نہیں ہوا، شائن ابھی پیدا نہیں ہوا، فرانس بھی پیدا نہیں ہوا، سیکولرازم ابھی آیا نہیں، کمیونزم ابھی آیا نہیں، ماؤزے تنگ آیا نہیں۔

چودہ صدی قبل کی بات ہے کملی والا آ گیا، بلال کو کعبے کی چھت پر کھڑا کر دیا گیا۔

بلال نے اذان کہی روس نے کہا! میں نے ایلومینیم کا سیارہ بنا کے فضا میں گھمایا۔ امریکہ نے کہا میں نے جہاز بنا کے چاند پر پہنچایا۔

ابھی ماؤزے تنگ پیدا نہیں ہوا۔۔۔۔ لینن ابھی پیدا نہیں ہوا، روٹی دینے والے ابھی پیدا نہیں ہوئے۔۔۔۔ کپڑا دینے والے ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ مزدور کا مقام اونچا کرنے والے ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ غریب کے حامی ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ چودہ صدی پہلے کی بات ہے۔ بلال کعبے کی چھت پر باقی سب نیچے ہیں۔

حبشی کعبے پر ہے اور باقی سب نیچے ہیں۔

غلام کعبے پر ہے اور آزاد نیچے ہیں۔

کالا کعبے پر ہے اور گورے نیچے ہیں۔

غریب کعبے پر ہے امیر سب نیچے ہیں، یہ ہے پہلا انسانی انقلاب۔

میں کہہ رہا تھا، روس نے کہا میں نے مصنوعی سیارہ فضا میں چھوڑا، امریکہ نے کہا میں نے جہاز چاند پر پہنچایا۔ فرانس نے کہا میں نے لڑکی کو ثقافت کے نام پر مارکیٹ میں نچایا۔ انگریز نے کہا میں نے بحری جہاز بنا کے پانی پر چلایا۔ جاپان نے کہا میں نے پلاسٹک سے کھلونا بنا کے چلایا۔

میرے کملی والے نے فرمایا میں نے غلام کو فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھایا اور رب سے ملایا۔ میرے آقا و مولا نے انسانیت کا مقام بلند کیا۔

یہ محفل انسانیت ہے۔ ہری چند ایک ہندو ہے اس نے ساری کائنات سے سوال کیا:۔

کون ہری چند حفیظ کا شاگرد میرا دوست

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا

کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا

کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا در یتیم

آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا

ایک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

آدمی کا بول بالا کس نے کیا؟ کملی والے مصطفٰے کی ذات پاک نے، یہ محفل قرآن ہے۔۔۔ محفل عروج انسانیت ہے۔۔۔ محفل تعمیر انسانی ہے۔۔۔ اس محفل میں دستار بندی ہوگی۔

قرآن کے بعد کتاب کوئی نہیں۔

نبی کے بعد نبی کوئی نہیں۔

شریعت کے بعد شریعت کوئی نہیں۔

دین کامل ہوگیا۔۔۔ شریعت مکمل ہوگئی۔۔۔ نظام کامل ہوگیا۔۔۔ نبوت کامل ہوگئی۔۔۔ دستور کامل ہوگیا۔۔۔ نظام حیات کامل ہوگیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے بعد رب نہیں۔ قرآن کے بعد کتاب نہیں۔ اسلام کے بعد کوئی اور شریعت نہیں۔ رسول کے بعد رسول نہیں۔ اس کے بعد مذہب نہیں۔ تمہارے بعد امت نہیں۔

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے
حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے معمارِ جہاں تو ہے
سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

قرآن کے بعد کتاب کوئی نہیں
خدا کے بعد خدا کوئی نہیں
رسول کے بعد رسول کوئی نہیں
قرآن کے بعد کتاب کوئی نہیں
اسلام کے بعد شریعت کوئی نہیں
پہلی کتابوں کے بعد کتابیں اور آنا تھیں
نبیوں کے بعد اور نبیوں کو آنا تھا
چھوٹی کتابوں کے بعد بڑا پیغام آنا باقی ہے
انبیاء کے بعد انبیاء کا تاجدار آنا باقی ہے
جب سب آنے والے آ گئے کتابیں آ گئیں تو
آخری نبی علیہ السلام تشریف لے آئے
اب اور کوئی نبی نہیں آئے گا
اب اور کوئی کتاب نہیں آئے گی
شریعت کوئی نہیں آئے گی
نظام کوئی نہیں آئے گا

اللہ تعالیٰ نے کہا اب کوئی اور کتاب نہیں بھیجنی، پہلے کسی کتاب کی حفاظت میں نے خود نہیں کی لیکن اب آخری کتاب قرآن پاک کی حفاظت کی ذمہ داری میری ہے۔

انا نزلنہ وانہ لحافظون

پہلی کتابوں میں لوگوں نے اپنی مرضی سے ترمیم وتبدیلی کر لی۔ اب قرآن کے بعد کوئی اور کتاب نہیں۔ اس لئے اب اس کی حفاظت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔
میں نے قرآن کی حفاظت کرنی ہے
میں نے قرآن کو سنبھالنا ہے
اس کی ہر سورۃ کی حفاظت کرنی ہے
اس کے معانی کی حفاظت کرنی ہے
اس کے ظاہر و باطن کی حفاظت کرنی ہے
پھر میرے خدا نے کس طرح اس کی حفاظت کی، یہ ظاہر ہے۔
اوقاف میں ایک ناظم اوقاف تھا جس کا نام مسٹر مسعود تھا، عجیب و غریب شے تھا۔ مجھ سے جھگڑا کر بیٹھا۔ مجھ سے کہنے لگا دیکھو شاہ جی آپ طوطے پیدا کرتے ہیں، طوطے۔
میں نے پوچھا کیسے؟ کہنے لگا جو حافظ قرآن ہوتے ہیں۔
کہنے لگا قرآن پاک چھپا ہوا مل جاتا ہے اور آپ تیس پاروں کا بوجھ دماغ پر ڈالتے ہیں اور دماغ کو تھکا دیتے ہیں۔ چھپے ہوئے قرآن میں کوئی غلطی بھی نہیں، لیکن آپ پندرہ پندرہ سال بچوں کے دماغ پر بوجھ ڈال کر دماغ تھکا دیتے ہیں۔
میں نے کہا مسٹر مسعود! قرآن پاک لکھا لکھایا نہیں آیا، قرآن کا نزول وحی کی صورت میں ہوا۔
الفاظ میں ہوا ہے۔
کملی والے آقا کی زبان میں ہوا ہے۔

ذوق کی بات:

میں پیار کی ایک بات کرتا چلوں۔ ذوق کی بات کرتا چلوں۔ میں نے حضرت اقبال سے پوچھا جناب اقبال خدا کی دلیل کیا ہے؟
میں نے پوچھا آپ بڑے فلسفی ہیں، حضرت مولانا روم کے شاگرد ہیں۔
میرا سوال تھا خدا کی دلیل؟ کہنے لگے مصطفےٰ
میں نے پوچھا قرآن کی دلیل؟ کہنے لگے مصطفےٰ
میں نے کہا قیامت کی دلیل؟ کہنے لگے مصطفےٰ
میں نے کہا اسلام کی دلیل؟ کہنے لگے مصطفےٰ
میں نے پوچھا حق و باطل کی دلیل؟ کہنے لگے مصطفےٰ کیونکہ:۔
عقل سے نہ خدا ملتا ہے۔
عقل سے نہ نجات ملتی ہے۔
عقل سے نہ ایمان ملتا ہے
عقل سے نہ حق و باطل کا پتا چلتا ہے۔ سب کی دلیل مصطفےٰ ہیں۔
ایک ہی شعر میں ہمارے عقیدے کی ترجمانی فرما دی۔

با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار
با خدا در پردہ گویم
یا رسول اللہ او پنہاں تو پیدائے من

آج کل بڑے بڑے وہابی بڑے پرویزی اقبال کے شعر لکھ لکھ کہ ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اقبال کا عقیدہ سنو! اقبال نے لکھا:

یا رسول اللہ او پنہاں تو پیدائے من

شعر اقبال کا سنا آپ نے اب میرا ترجمہ سنیں۔ اقبال کے شعر کا جواب نہیں میرے ترجمے کا جواب نہیں۔
اقبال نے کہا، اے میرے آقا کملی والے آپ نے خدا کو مانا دیکھ کر، میں نے جانا سن کر۔

یارسول اللہ آپ کے لئے دید ہے میرے لئے شنید ہے۔
آپ جانیں اور رب جانے، رب جانے اور تو جانے، میں جانوں اور تو جانے۔
اقبال نے ہمارا عقیدہ بیان کر دیا۔ سنیت کی روح بیان کر دی۔

با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار
با خدا پردہ گویم
یا رسول اللہ او پنہاں تو پیدائے من

یارسول اللہ آپ نے خدا کو اللہ مانا ہے دیکھ کر میں نے من کر۔
آپ کے لئے تو دید ہے میرے لئے شنید ہے
آپ کے لئے وہ ہے اور میرے لئے آپ ہیں۔

سیکرٹری اوقاف کو جواب:

میں نے اوقاف کے ناظم مسعود سے کہا اے مسٹر مسعود! اگر صرف لکھی چیز کافی ہو تو مثلاً کتاب کے آخر پر یہ فقرہ لکھا ہو کہ آپ بصیر پور جائیں گے۔
آپ بصیر پور جائیں گے؟
فقرہ لکھا ہوا ہے، فقرہ وہی ہے۔ حروف وہی ہیں، میں نے لہجہ بدل دیا ہے۔ تحریر میں بدلا جا نہیں سکتا، تقریر میں بدلا گیا۔
فقرہ کیا ہے۔ آپ بصیر پور جائیں گے۔۔۔۔ آپ بصیر پور جائیں گے؟ آپ بصیر پور جائیں گے (حیرت)
آپ بصیر پور جائیں گے (عمل)
پہلے فقرے میں ہے کہ آپ بصیر پور جائیں گے۔ اس میں کچھ وضاحت نہیں کہ کب جائیں گے۔
دوسرے فقرے میں سوالیہ انداز ہے کیا آپ بصیر پور جائیں گے۔
تیسرے فقرے میں حیرت کا اظہار ہے کہ کیا آپ واقعی بصیر پور جائیں گے۔
چوتھے فقرے میں عمل بیان کیا گیا کہ آپ یقیناً بصیر پور جائیں گے۔
فقرہ ایک ہے انداز گفتگو سے معنی بدلتے گئے، لہجے بدلتے گئے، معنے بدل گئے، حروف وہی ہیں معنی اور ہیں۔
میں نے مسعود سے کہا کہ قرآن مصطفٰے کی زبان سے ادا ہوا ہے۔
قرآن لکھا لکھایا نہیں آیا
ہمارے حافظ و قاری صرف قرآن یاد نہیں کرتے بلکہ مصطفٰے کا لہجہ بھی یاد کرتے ہیں۔ کوئی تحریری کتاب مقصد نہیں حاصل کر سکتی۔ میں مبارک باد دیتا ہوں۔ حفاظ قرآن کو
تجوید کسے کہتے ہیں حضور کے لہجے کو
ترتیل کسے کہتے ہیں حضور کے لہجے کو
نطق مصطفٰے کا، لہجہ مصطفٰے کا، انداز مصطفٰے کا، کلام مصطفٰے کا

میں اقبال کا عاشق ہوں:

سبحان اللہ! میں نے اقبال کی ساری کتب پڑھی ہیں اور روزانہ پڑھتا ہوں۔ اب بھی میرے معمولات میں سے ہے۔ میں آدھ گھنٹہ روزانہ اقبال کا مطالعہ کرتا ہوں۔
اگر آپ کہیں کہ میں اقبال کا سارا کلام آپ کو سناؤں تو کوشش کے باوجود نہیں آئے گا۔

وارث شاہ کا عاشق:

یہاں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں جو پیر وارث شاہ کے عاشق ہیں۔
چار چار گھنٹے سنتے ہیں
جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں

چوکوں میں بیٹھ کر پڑھتے ہیں
وارث شاہ نے جو ہیر لکھی
اس کا جواب نہیں، لیکن پورے پاکستان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جسے پوری ہیر زبانی یاد ہو۔

میں دعویٰ کرتا ہوں:

دیوان غالب چھوٹی سی کتاب ہے بڑے بڑے ادیب اسے پڑھتے ہیں لیکن کسی کو یاد نہیں بلکہ کسی پنڈت کو زبانی حفظ نہیں۔
کسی گیانی کو زبانی حفظ نہیں
کسی پادری کو چھوٹی سی انجیل زبانی حفظ نہیں۔
آپ پورے پاکستان سے ایک آدمی بھی نہیں بتا سکتے جسے مکمل ہیر حفظ ہو زبانی یاد ہو۔ میں آٹھ سال کا بچہ پیش کروں گا جسے مکمل قرآن پاک مکمل یاد ہو صرف آٹھ سال کا بچہ ہے۔

ہندو سے مناظرہ:

ہمارے مولوی صاحب کا مناظرہ پنڈت رام چندر سے ہوا۔ پنڈت بہت تیز زبان، بہت بدزبان، بہت گہرا اور تیز تیز گفتگو کرنے والا تھا۔
اس نے مولوی صاحب سے کہا مولوی صاحب! آپ جانتے ہیں میں کون ہوں۔ میں رام چندر ہوں، میں پنڈت ہوں مجھے سات زبانیں آتی ہیں مجھے تمہارا قرآن زبانی یاد ہے۔
پنڈت نے کہا مولوی صاحب تم میرے ساتھ مناظرہ کرنے آئے ہو میرا وید تمہیں آتا ہے؟

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تو نے
یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

واہ، مولوی صاحب میں آپ کی بات پر قربان جاؤں۔۔۔۔ آپ کی عظمت پر قربان جاؤں۔۔۔۔ آپ کتنے ذہین ہیں کتنے فطین ہیں۔

یہ مولوی سے چالو ہیں:

یہ سیاست دان مولوی سے بہت چالو ہیں، تم کہتے ہو مولوی کو آئین کا پتا ہے، مولوی کو دستور آتا ہے، مولوی کو اس کا پتا ہے کہ دستور کیا ہے؟
ارے دستور تو مولوی کے پاؤں سے نکلتا ہے جہاں مولوی پاؤں رکھے وہاں دستور پیدا ہوتا ہے۔
ارے جو حکمت خدا کو جانتا ہے
جو حکمت رسول کو جانتا ہے
جو حکمت کلی کو جانتا ہے
جو حکمت ابدی کو جانتا ہے
جو حکمت ازلی کو جانتا ہے
جو کلام مصطفےٰ کو جانتا ہے
جو پوری کائنات کے رموز کو جانتا ہے وہ مولوی اتنا سادہ تو نہیں۔

سادگی و پرکاری بے خودی و ہشیاری
حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

تم نے مولوی کو کیا سمجھا ہے۔۔۔۔ خدا کی قسم یہ علم کا پہاڑ ہیں۔۔۔۔ علم کے سمندر ہیں۔۔۔۔ حکمت عرشی کو جانتے ہیں، حکمت فرشی تو کوئی چیز ہی نہیں۔
میری تقریر ابھی شروع نہیں ہوئی، میں تو ابھی شروع کرنے والا ہوں۔ ابھی پندرہ منٹ باقی ہیں۔ چلو ٹھیک ہے۔ میں اپنی تقریر کو کسی موڑ پر ختم کرنا چاہتا ہوں۔

تمہیں وید آتا ہے:

پنڈت نے مولوی صاحب سے کہا مجھے پورا قرآن مجید آتا ہے۔ تمہیں ہمارا وید آتا ہے۔
مولوی صاحب کی ذہانت کے قربان جائیں فوری طور پر اسی کا سوال اسی پر لوٹا دیا اور کہا:

''کیا تمہیں تمہارا وید آتا ہے، پنڈت سٹپٹا گیا۔
مولوی صاحب نے کہا! یہ ہمارے قرآن کا کمال ہے کہ ہندو کے سینے میں بھی داخل ہو گیا۔
تمہیں اپنا وید آتا ہے؟
ہندو کو وید نہیں آتا۔۔۔۔عیسائی کو انجیل نہیں آتی
جٹ کو ہیر رانجھا نہیں آتا۔۔۔۔ مجھے کلام اقبال نہیں آتا
پر کلام خدا قرآن پاک آٹھ سال کے بچے کو مکمل یاد ہے۔
مولوی صاحب نے ہندو سے کہا:۔
میرا سینہ تو روشن ہے
میرا سینہ تو منور ہے
تیرے سینے میں کفر کا اندھیرا ہے
یہ قرآن کا کمال ہے کہ ایک کافر کے سینے میں بھی داخل ہو گیا۔ تمہیں وید یاد ہو تو بتاؤ۔

بچی نے مکمل قرآن حفظ کر لیا:

بہر حال میں گوجرانوالہ میں ایک ماہر تعلیم کے گھر گیا۔ ایک چھوٹی سی بچی گھر پر تھی میں نے اس سے پوچھا تمہارے والد صاحب گھر پر ہیں۔ اس نے کہا باہر گئے ہوئے ہیں۔
میں نے کہا پانی لاؤ۔ وہ بچی پانی لے آئی۔ باتیں شروع ہو گئیں۔
میں نے کہا پڑھتی ہو۔
کہنے لگی میں تیسری جماعت میں پڑھتی ہوں۔
میں نے کہا بیٹی! قرآن پاک بھی پڑھا کرو۔
بچی نے مسکرا کر کہا۔
میں مکمل قرآن پاک پڑھ چکی ہوں۔
میں نے سوچا کہ بچی نے قرآن پاک ناظرہ پڑھ لیا ہو گا۔ میں نے اس سے کہا کہ قرآن پاک کی آخری سورتیں زبانی یاد کر لو۔
بچی نے جواب دیا کہ میں نے مکمل قرآن زبانی یاد کر لیا ہے۔
مجھے چکر آ گیا۔ میں نے سوچا بچی بہت چھوٹی ہے، بچی بہت بھولی بھالی ہے، شاید یہ میرے ساتھ مذاق کر رہی ہے۔ اسی اثناء میں اس کے والد صاحب آ گئے۔ میں نے کہا چوہدری صاحب!
آپ کی بیٹی بڑی پیاری ہے، بھولی بھالی ہے لیکن میرے ساتھ مذاق کر رہی ہے۔
چوہدری صاحب نے پوچھا کیا بات ہے۔
جب میں نے بتایا تو کہنے لگے بچی ٹھیک کہتی ہے۔ پورا قرآن یاد کر لیا پچھلی مرتبہ سنایا ہے اور انعام حاصل کیا ہے۔
ایک بھی غلطی نہیں نکلی اور گولڈ میڈل حاصل کیا ہے۔

واقعہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ:

بچہ آٹھ سال کا، باپ اسے مسجد میں لے کر آیا، حافظ صاحب سے کہنے لگا کہ حضرت یہ میرا اکیلا ہی بیٹا ہے، آپ کا بھتیجا ہے، عمر کی کمائی اور بڑا ذہین ہے، اسے حافظ قرآن بنائیں، قرآن پڑھائیں۔
حافظ صاحب نے کہا! ابھی بچہ بہت چھوٹا ہے اسے کچھ بڑا ہو لینے دیں میں اسے قرآن بھی سکھاؤں گا اور حافظ بھی بناؤں گا۔
باپ بچے کو چھوڑ کر چلا گیا۔
قاری صاحب نے بچے کو بلا لیا، اپنے پاس بلا لیا اور بچے سے سوال کیا کہ کیا تم نے کچھ پڑھا ہے یا نہیں؟
حافظ صاحب نے پوچھا کیا بغدادی قاعدہ آتا ہے؟
بچہ کہنے لگا نہیں

عربی قاعدہ آتا ہے؟نہیں

نورانی قاعدہ آتا ہے؟نہیں

یسرنا القرآن آتا ہے؟نہیں

الف ب آتی ہے؟نہیں

عمر تیری بہت چھوٹی لیکن تیرا باپ بہت جلد باز ہے۔وہ کہہ رہا ہے تمہیں قرآن پڑھاؤں۔اچھا چلو شروع کرو۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"الم ذلک الکتاب" بچے نے پڑھنا شروع کیا اور پوری سورہ بقرہ سنادی۔

قاری صاحب چکرا گئے اور بچے سے سوال کیا کہ تو نے الف ب تک نہیں پڑھی، کوئی قاعدہ نہیں پڑھا، کبھی تم مسجد میں گئے نہیں تو تمہیں سورہ بقرہ کیسے آتی ہے؟

قاری صاحب کے سوال پر بچے نے کہا پندرہ پارے سے قرآن زبانی یاد ہے۔قاری صاحب مزید چکرا گئے۔

قاری صاحب نے پوچھا:

بیٹا کبھی تم مسجد گئے نہیں، قاعدہ تو نے پڑھا نہیں، تو تمہیں قرآن کیسے آ گیا؟

بچے نے جواب دیا کہ میں بہت بلند قسمت ہوں۔میری ماں تہجد گزار ہے جب وہ نماز تہجد سے فارغ ہوتی تو مجھے اپنی گود میں لے کر قرآن کی تلاوت کرتی رہتی اور پندرہ سپارے قرآن کی منزل روزانہ کرتی، میں نے اپنی والدہ کی گود میں پندرہ سپارے اتنی بار سنے کہ مجھے زبانی یاد ہو گئے قاری کو چکر آ گیا۔

ہم نے پوچھا شہر کون سا ہے؟ پتہ چلا دہلی۔

ہم نے پوچھا یہ بچہ کون ہے؟

جواب ملا آپ نہیں جانتے، یہ کائنات کا مشہور بچہ ہے۔ساری دنیا اس کے فیض سے اس بچے کو جانتی ہے۔

اس بچے کا نام ہے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ

جو ماں تہجد کے وقت اٹھتی ہے:

سلطان الہند خواجۂ خواجگان قبلۂ چشتیاں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ہیں جو کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے دادا پیر ہیں۔

کس ماں کے گھر پیدا ہوئے

وہ ماں جو تہجد کے وقت اٹھتی ہے

وہ ماں جو پندرہ پارے کی منزل کرتی ہے

وہ تلاوت کرتی ہے

اس ماں کے گھر کون پیدا ہوتا ہے

قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ

میرے پیارے دوستو!

اسی لئے ماں عبادت گزار تھی تو بیٹا بھی عبادت گزار نکلا

ایک اصول یاد رکھیں، ایک قانون یاد رکھیں کلیہ بیان کر رہا ہوں

ماں چور ہو گی تو بیٹا ڈاکو ہو گا

ماں بزدل ہو گی تو بیٹا دیوث ہو گا

ماں جاہل ہوگی تو بیٹا نجی ہوگا
ماں بری ہوگی تو بیٹا برا ہوگا
ماں نیک ہوگی تو بیٹا نیک ہوگا
ماں ولی ہوگی تو بیٹا ولی ہوگا
ماں فاضل ہوگی بیٹا عالم ہوگا
ماں دلیر ہوگی بیٹا غازی ہوگا
ماں فاطمہ ہوگی بیٹا حسین ہوگا
نعرہ تکبیر اللہ اکبر
نعرہ رسالت یارسول اللہ

حسین کا خون کیوں رنگین تھا:

لوگ کہتے ہیں حسین کا خون بہت رنگین تھا۔ میں کہتا ہوں حسین کا خون کیوں رنگین تھا۔ یہ سیدہ فاطمہ صلواۃ اللہ علیہا کے دودھ کا اثر تھا۔
لوگ کہتے ہیں میدان کربلا کا جواب نہیں۔
میں کہتا ہوں سیدہ فاطمہ الزہرا کی گود کا جواب نہیں۔

ہماری تعلیم خام ہے:

میرے پیارے دوستو! ماؤں کی گودیں خراب ہوگئیں۔۔۔۔مدرسے خراب ہوگئے۔۔۔۔کالج بھی خراب ہوگئے۔۔۔۔نصاب میں قرآن نہیں ہے۔۔۔۔اپنی تاریخ نہیں ہے۔۔۔۔ہماری تعلیم نہیں ہے۔۔۔۔ہماری تعلیم خام ہے۔
میں کہتا ہوں ہمارا نصاب ہی غلط ہے۔۔۔۔کالج غلط ہے۔۔۔۔ماں کی گود غلط ہے۔۔۔۔والد کو قرآن نہیں آتا۔۔۔۔اذان نہیں آتی۔۔۔۔نماز نہیں آتی۔۔۔۔اب لے دے کے ہمارے یہ دینی مدارس باقی ہیں۔ یہاں آئیں۔ تعاون کی بڑی صورتیں ہیں۔ سبحان اللہ بہت مقامات ہیں۔

حضرت عمرؓ کا واقعہ:

ایک شخص ننگی تلوار لے کر نکل کھڑا ہوا۔ اس کے ماتھے پر شکنیں تھیں، ہاتھوں میں تلوار تھی، دل میں خون، خون میں گرمی، گرمی میں کفر۔۔۔۔ ماتھے پر شکنیں۔۔۔۔آنکھوں میں خون اترا ہے۔۔۔۔جو شخص اس آدمی کی طرف دیکھے بھاگ جائے۔۔۔۔جو دیکھے ادھر ادھر ہو جائے۔
بازار خالی ہوگیا۔۔۔۔شہر بند ہوگیا۔۔۔۔لوگوں نے ہڑتال کرلی۔
بندہ گیا آ۔۔۔۔بندہ بہت سخت ہے۔۔۔۔ہاتھ میں تلوار ہے۔۔۔۔جان بچالو۔۔۔۔دوکانیں بند کرلو۔
میں نے پوچھا شہر کون سا ہے، جواب ملا مکہ
میں نے پوچھا جو لوگ دوڑ رہے ہیں وہ کون ہیں۔
جواب ملا قریشی دوکاندار ہیں۔
میں نے پوچھا جو تلوار لے کر آرہا ہے اس کا نام کیا ہے؟
اس نے کہا تم نہیں جانتے، اس کا نام عمر ابن خطاب ہے۔
میں نے کہا بندہ بڑا حسین۔۔۔۔بندہ بڑا مشہور۔۔۔۔بندہ بڑا سخت۔۔۔۔دیکھوں کرتا کیا ہے؟
سامنے ایک شخص ملا اس نے پوچھا اے عمر تلوار کیوں اٹھائی ہے؟
تلوار کیوں اٹھائی ہے؟ یہ کیا ہیئت کذائی ہے؟ کس کی طرف حملہ کا ارادہ ہے کس کی شامت آئی ہے۔
کہنے لگے نبی (ﷺ) نے بڑا تنگ کیا ہے۔ دو پارٹیاں بن گئی ہیں۔ میں نے آج فیصلہ کیا ہے کہ اب یا میں نہیں رہوں گا یا نبی ﷺ کو نہیں چھوڑوں گا۔
وہ شخص مسکرا کر حضرت عمر سے کہنے لگا ادھر مت جاؤ۔
حضرت عمر نے کہا میں نبی کو شہید کرنے چلا ہوں۔ میں اسلام کے درخت کو کاٹنے چلا ہوں۔

آواز آئی اے عمر! جس درخت کو کاٹنے چلے ہو میں تیرے پسینے کے پانی سے اس کی آبیاری کرواؤں گا۔

تیری مرضی اور ہے میری مرضی اور ہے۔

تیری مرضی نہیں چلے گی میری مرضی کامیاب ہوگی۔

راستے میں ایک اور شخص ملا اس نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے۔ کس کی شامت آئی ہے۔

کہنے لگے کہ نبی نے بڑا تنگ کیا ہے اور گھر میں فساد ڈال دیا ہے اور ہمارے بتوں کی توہین کر رہے ہیں۔ آج میں نے فیصلہ کر لیا ہے یا نبی نہیں یا میں نہیں۔

نبی ہے تو دنیا ہے:

آواز آئی نبی تو باقی ہے قیامت تک جو سامنے آئے گا وہی نہیں ہوگا کیونکہ نبی ہے تو دنیا ہے۔

علت ہے تو معلول ہے

بنیاد ہے تو چھت ہے

جڑ ہے تو پودا ہے

نبی ہے تو دنیا ہے

آواز آئی عمر!

جس چراغ کو تم بجھانے چلے ہو میں نے تیرے خون کا تیل اس میں ڈال کر اس کی روشنی میں اضافہ کرنا ہے۔

آگے چلے تو ایک اور آدمی ملا اس نے پوچھا کدھر جا رہے ہو؟

عمر نے کہا نبی کو شہید کرنے

وہ شخص ہنس پڑا۔

عمر نے پوچھا ہنسے کیوں ہو۔

اس نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تیری بہن مسلمان ہے۔ تیرا بہنوئی مسلمان ہو چکا ہے۔ اسلام تیرے گھر میں ہے پہلے اپنے گھر کو ٹھیک کر لو، پھر نبی کی طرف جانا۔

عمر کو غصہ آ گیا کہ یہ کیا ہوا کہ اسلام میرے گھر میں، قرآن میرے گھر میں کیوں آ گیا۔ میں ابھی اپنے بہنوئی اور بہن کو درست کر لیتا ہوں۔

جب بہن کے گھر پہنچے تو کنڈی بند تھی۔ آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا آپ نے دروازے کے سوراخ سے دیکھا تو عجیب منظر سامنے تھا۔

ایک طرف بہن ہے، دوسری طرف بہنوئی ہے درمیان میں قرآن پاک ہے۔ دونوں قرآن پاک پڑھ رہے ہیں۔ بیوی سورۃ مریم پڑھتی ہے تو خاوند جھوم اٹھتا ہے۔

خاوند سورۃ یٰسین پڑھتا ہے تو بیوی جھوم اٹھتی ہے۔

بہر حال دونوں میاں بیوی مل کر قرآن پاک پڑھ رہے ہیں۔ میں اس گھر پر جاؤں قربان جہاں پڑھا جائے قرآن۔ وہاں پیدا ہوتا ہے ایمان جہاں پڑھا جائے قرآن۔ اب میں گھوما سارا پاکستان، وہ گھر نہیں ملا جہاں پڑھا جائے قرآن۔

کسی گھر میں قرآن نہیں ملتا:

میں کراچی جاتا ہوں تو مہاجروں سے کہتا ہوں سنو مہاجرو تم پاکستان کے معمار ہو۔ ہمیں تو پاکستان گھر بیٹھے بٹھائے مل گیا ہے لیکن مہاجرو تم نے اپنے بچوں کی لاشوں کی بنیاد بنا کر پاکستان بنایا ہے۔

ہم گھر میں بیٹھے بٹھائے پاکستان کے مالک بن گئے ہیں۔ آپ نے بچوں کے خون کا دریا عبور کر کے پاکستان حاصل کر لیا ہے۔

داستان پیار کی رنگین ہے مانا لیکن
اس میں کچھ خون تمنا بھی ہے شامل تیرا

میں گیا کراچی ۔۔۔۔ مہاجرین کا گھر کراچی ۔۔۔۔ لکھنؤ والے دہلی والے اہل زبان افراد۔ میں نے وہاں جا کر دیکھا ایک طرف بیوی ہے دوسری طرف شوہر ہے اور درمیان میں کیا ہے پاندان۔

قرآن نہیں پاندان ۔۔۔۔ وہ کہتی ہے کراچی پان لگاؤ ۔۔۔۔ مرد کہتا ہے سانچی پان لگاؤ ۔۔۔۔ وہ کہتی ہے کتھا لگاؤ ۔۔۔۔ شوہر کہتا

ہے چونا لگاؤ۔۔۔۔وہ کہتی ہے سپاری ڈالو۔

فرنگی تہذیب کے علمبردار:

میں آیا لاہور۔۔۔۔تہذیب کا مرکز لاہور۔۔۔۔ثقافت کا مرکز لاہور۔۔۔۔میں نے دیکھا میاں صاحب بیٹھے ہیں۔۔۔۔میم صاحب بیٹھی ہیں۔۔۔۔پڑھی لکھی بیوی۔۔۔۔پڑھا لکھا خاوند۔۔۔۔آج کل خاوند ذرا کم ہی پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔نوجوان نے پتلون پہنی ہوتی ہے، ٹائی لگائی حیا باختہ، تر شا تر شایا، نہایت چمکدار لباس۔میں جانتا ہوں گورا تو دیت نام میں مرا، اس کا کوٹ پہنچا آ کے لنڈے بازار۔باؤجی نے نیلامی میں خرید لیا اور بن گئے تہذیب فرنگی کے علمبردار۔

باؤجی کی پتلون بھی غیر کی۔۔۔۔ٹوپی بھی غیر کی۔۔۔۔تہذیب بھی غیر کی۔

باؤجی کی جیب پیسے سے خالی۔۔۔۔دماغ علم سے خالی۔۔۔۔دل دولت سے خالی۔

انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی

انہیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

ان کا اپنا کچھ بھی نہیں:

اپنا کچھ بھی نہیں۔اللہ اللہ! بیوی ہوتی ہے ایف اے پاس اور باؤجی ہوتے ہیں میٹرک فیل۔میں نے اہل زبان کے سامنے انگریزی بولی۔لکھنو والوں کے سامنے، دہلی والوں کے سامنے، انہوں نے کہا آپ کی زبان بالکل درست ہے۔محاورہ روزمرہ بالکل ٹھیک ہے اور پنجابی تو میری اپنی زبان ہے آپ اپنی زبان سے بہت زیادتی کرتے ہیں اور اردو سے بھی پنجابی سے بھی۔

ان کی گفتگو کیسی ہے؟

میٹرک فیل باؤجی اور ایف اے پاس بیوی کی کیا گفتگو ہو رہی ہے میں نے اپنے کانوں سے سنی ہے آپ بھی ملاحظہ کریں۔

پاکستان کی قومی زبان National language of Pakistan مرد کہتا ہے میری Wife والف نے کہا Pay بڑا Fine ہے۔Tiffen carrier پہنچ گیا lunch box ٹفن کیریئر میں ڈالا اور دریا کی walk کو گئے۔

جب گئے استعمال کر لیا تو علم ہوا کہ گفتگو اردو میں ہو رہی ہے۔لاحول ولا قوۃ۔

ہے تم دوست جسکے دشمن کے اس کا آسماں کیوں ہو۔

تم نے تو اپنی زبان کا حلیہ بگاڑ دیا۔اپنی زبان درست کرو ٹھیک بولو صحیح بولو۔

میں گیا لاہور۔میں نے دیکھا ایک طرف میاں ہے دوسری طرف بیوی ہے درمیان میں ٹیلی وژن ہے، ریڈیو ٹیپ ریکارڈر ہے۔

بیوی کہتی ہے آکاش وانی لگاؤ، بی بی سی لندن لگاؤ۔وہ کہتا ہے ماسکو لگاؤ۔

میں پشاور گیا۔ایک طرف پٹھان، دوسری طرف پٹھانی، درمیان میں نسوار کی ڈبیا، کبھی بیوی بیڑا منہ میں رکھے کبھی شوہر۔

میں آیا سیالکوٹ۔ایک طرف جٹ دوسری طرف جٹی۔ایک طرف چوہدری دوسری طرف چوہدرانی، درمیان میں حقہ۔کبھی وہ کش کھینچتی ہے کبھی چوہدری کش کھینچتا ہے۔تمباکو کوڑا، تمباکو میٹھا، تمباکو کا اچھا، تبصرے ہو رہے ہیں۔

میں نے میاں بیوی کو اکٹھے پان کھاتے دیکھے ہیں

میں نے میاں بیوی کو لنچ کو اکٹھے جاتے دیکھے ہیں

میں نے میاں بیوی کو ٹی وی اکٹھے دیکھتے دیکھا ہے

میں نے میاں بیوی کو اکٹھے حقہ پیتے دیکھا ہے

میں نے میاں بیوی کو اکٹھے نسوار کھاتے دیکھا ہے

میں نے گھوما سارا پاکستان لیکن وہ گھر نہیں ملا جہاں پڑھا جائے قرآن۔ایمان کی بات یہ ہے کہ جہاں پڑھا جائے قرآن وہاں پیدا ہو گا ایمان۔

جنہیں حقیر سمجھ کے بجھا دیا تو نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

اس کے بغیر کچھ چارا نہیں۔۔۔۔اس کے بغیر کوئی روشنی نہیں۔۔۔۔معاف کرنا آپ لوگ ہم سے تنگ بھی بڑے ہیں لیکن مولوی کے

بغیر آپ کی گاڑی بھی نہیں چلتی۔

الحمد للہ میں کالج میں پڑھا بھی ہوں۔۔۔۔رنگ بھی میرا برا نہیں۔۔۔۔اگر میری شکل زیادہ خوبصورت نہیں تو اتنی بری بھی نہیں، قابل برداشت تو ہے۔۔۔۔میں کانا بھی نہیں۔۔۔۔اور پست قد بھی نہیں میرا قد بھی اونچا ہے۔

میری زندگی کا ایک واقعہ:

ایک واقعہ سنیں، میں ایک روز بس میں بیٹھا ہوا تھا کہ دو بابو بھی بس میں بیٹھے۔ ان میں سے ایک بابو بی اے پاس دوسرا ایم اے پاس۔

بابو صاحبان میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ جہاں مولوی دیکھا ایک دوسرے کو اشارے بازی شروع کر دیتے ہیں۔ پھر ہنسنا شروع ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو ٹھوکے دینے لگتے ہیں۔

میں نے ان سے گفتگو شروع کر دی۔ میں نے پوچھا باؤ جی پڑھے ہوئے ہو۔ کہنے لگا پڑھا ہوں۔

میں نے پوچھا کیا۔

کہنے لگے بی اے ہوں

دوسرے کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ ایم اے ہیں۔

میں نے پوچھا کس شعبے میں ایم اے کیا ہے۔

جواب ملا ہسٹری میں۔

نبی کون ہوتا ہے؟

مجھے ان کی کمزوری کی خبر تو تھی ہی۔ میں نے بابو سے سوال کیا کہ نبی کون ہوتا ہے، نبی کیا ہوتا ہے؟

کہنے لگے مولوی جی آپ ہماری توہین کر رہے ہیں۔ میں بی اے ہوں، میں ایم۔اے ہوں۔

میں نے کہا باؤ جی! میں جانتا ہوں کہ آپ ایم اے ہیں، بی اے ہیں، میں مولوی ہوں کچھ پرانے خیال کا، دماغ میرا چھوٹا ہے، آپ بتاویں نبی کون ہوتا ہے۔

باؤ جی اب گریز کر رہے ہیں۔ میں ان پر سوار ہو گیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ انہیں اس کی خبر نہیں ہے کہ نبی کون ہوتا ہے۔ دس میل کے بعد جا کر بات طے ہوئی۔

بی اے پاس ایم اے پاس سے کہنے لگا کہ مولوی صاحب کو بتا دو۔

ایم اے کہنے لگا بتا دوں؟

بی اے نے کہا بتا دو۔

پھر پوچھا بتا دوں؟

بی اے نے کہا بتا دو۔

نبی بڑا اچھا آدمی ہوتا ہے:

کہنے لگا سنو مولوی صاحب نبی بڑا اچھا آدمی ہوتا ہے۔ نبی شریف آدمی ہوتا ہے۔ نبی کہتا ہے نمازیں پڑھو، روزے رکھو، نیک کام کرو، نبی بڑا شریف آدمی ہوتا ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

میں نے سوال کیا بس شریف آدمی کو نبی کہتے ہیں۔ کروڑوں لوگ دنیا میں شریف ہیں۔ اگر نبی اچھے کام کی تلقین کرتا ہے تو لاکھوں لوگ اچھے کام کی تلقین کرتے ہیں۔

یہ سوچ غلط ہے:

یہی وہ سوچ ہے کہ نبی کو اپنے جیسا کہہ کے۔۔۔۔نبی کو بڑا بھائی کہہ کے۔۔۔۔نبی کو مصلح بنا کر۔۔۔۔نبی کو ریفارمر (Reformer) بنا کے۔۔۔۔لیڈر کے مقابلے میں نبی کو لا کر تقدس نبوت پر حملہ کیا گیا ہے۔

عصمت نبوت پر حملہ کیا گیا ہے۔

محبت و عشق پر حملہ کیا گیا ہے۔

جمال وکمال نبی پر حملہ کیا گیا ہے۔

نبی اور امتی میں فرق ہے:

اگر نبی میرے جیسا ہے۔۔۔۔اگر نبی میرے برابر ہے۔۔۔۔تو پھر نبی کی بات میں مانوں گا؟ نہیں۔ نبی کی بات اس لئے مانی جاتی ہے کہ وہ خدا کا خلیفہ ہے۔۔۔۔نبی پیکر نور ہے۔۔۔۔نبی پیکر ظہور ہے۔۔۔۔نبی غلطی نہیں کرتا۔۔۔۔نبی پیکر جمال ہے۔۔۔۔نبی پیکر کمال ہے۔۔۔۔نبی جبریل کا استاد ہے۔۔۔۔نبی خدا کا محبوب ہے۔۔۔۔نبی کائنات کا امام ہے۔۔۔۔نبی کبھی نہیں بھولتا۔۔۔۔لوگ کالج میں پڑھتے ہیں نبی پڑھ کے آتا ہے۔۔۔۔لوگ آ کے بنتے ہیں وہ بن کے آتا ہے۔۔۔۔بندہ بندے سے پڑھتا ہے۔۔۔۔نبی رب سے پڑھتا ہے۔۔۔۔لوگ عقل سے پڑھتے ہیں۔۔۔۔نبی خالق عقل سے پڑھتا ہے۔۔۔۔لوگوں کا علم خارجی ہے نبی کا علم داخلی ہے۔۔۔۔لوگ ظنی ہیں لوگ شکی ہیں، نبی یقینی ہیں۔۔۔۔لوگ عارضی ہیں وہ باقی ہے۔۔۔۔لوگ فانی ہیں وہ باقی ہے۔۔۔۔لوگ فانی ہیں وہ حیاتی ہے۔۔۔۔لوگ یہاں کے ہیں وہ وہاں کا ہے۔

ہم اس کی بات مانیں گے جو نور ہوگا

ہم اس کی بات مانیں گے جو معلوم ہوگا

ہم اس کی بات مانیں گے جو غلطی سے پاک ہے

ہم اس کی بات مانیں گے جو خدا کا محبوب ہے

آج کل کا ملا کہتا ہے جو نبی کے نزدیک ہو جائے اللہ اس کے خلاف ہے۔ یہ اچھی نبوت ہے بھئی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ مقام آ چکا ہے اسی لئے یہ لازوال ہے۔

تحریک ختم نبوت کا واقعہ:

تحریک ختم نبوت میں ہم لوگ قید ہو گئے۔ ایس ایس پی، سی ایس پی کار پر سوار، سکوٹر پر سوار، پوچھا کون ہو، کہنے لگے مولوی چاہئے۔

میں نے پوچھا کیا بات ہے؟

کہنے لگا بچہ پیدا ہوا ہے۔

میں نے کہا! اگر لڑکا پیدا ہوا ہے اس میں ہماری تو کوئی غلطی نہیں ہم کیا کریں۔

کہنے لگا بچے کے کان میں اذان دینی ہے۔

میں نے کہا ہاں! یہ ہوئی نہ بات۔ آپ خود اذان کیوں نہیں کہتے۔ آپ بچے کے والد بن گئے ہیں، باپ بن گئے ہیں، ترقی کی ہے نسل انسانی میں اضافہ کیا ہے خود اذان کیوں نہیں کہتے۔

بابو صاحب ایم اے پاس بھی ہو۔ اذان مولوی صاحب کے بغیر ممکن نہیں، اذان کون کہے؟ مولوی۔

اسلام دین علم ہے:

انگریز نے کہا بچہ پانچ برس کا ہوا ہے اسے سکول بھیجو۔۔۔۔فرانس والوں نے کہا بچہ پونے پانچ برس کا ہوا اسے سکول بھیجو۔۔۔۔ہندو نے کہا بچہ چھ سال کا ہوا اسے سکول بھیجو۔۔۔۔میرے کملی والے نے ارشاد فرمایا: بچہ پیدا ہوتے ہی، دنیا پر آتے ہی اس کی تعلیم شروع کر دو۔۔۔۔اسلام دین علم ہے۔

اسلام دین علم ہے۔ بچہ پیدا ہوتے ہی کان میں اذان کہی جاتی ہے۔ بچہ زبان کو جانتا نہیں، بچہ اپنی ماں کو پہچانتا نہیں، بچہ والد کو پہچانتا نہیں لیکن پیدا ہوتے ہی کان میں اذان دینے کی کیا حکمت ہے۔

ڈاکٹر ولر۔۔۔۔یونیورسٹی کی پروفیسر۔۔۔۔نفسیات انسان کی ماہر۔۔۔۔اس نے پچیس سال تحقیق کی اور اس بات کی وضاحت کی کہ انسانی بچے کے کان میں جو آواز سب سے پہلے داخل ہوتی ہے اس کا اثر مدت العمر دراز تک رہتا ہے۔ پروفیسر عورت کو اس تحقیق پر ڈیڑھ لاکھ روپے کا انعام ملا۔ اسے خطاب ملا کہ تو نفسیات انسان کی بڑی ماہر ہے، تو نے عجیب مسئلہ ایجاد کیا ہے۔ میرا ایمان زندہ ہو گیا۔

میرا آقا ماہر تعلیم ہے:

لوگو تمہیں آج پتہ چلا ہے کہ میرے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے چودہ صدی قبل

میرا آقا، کون آقا، عالم علم لدنی آقا، فاران کی چوٹیوں پر کھڑے ہو کر چودہ صدی قبل کہہ گیا۔

اے مسلمانو! جب بچہ پیدا ہو تو سب سے پہلی آواز اس کے کان میں جائے

اللہ اکبر ، اللہ اکبر ، اشھدا ن لا الہ الا اللہ ، اشھدان محمد رسول اللہ ۔

کیونکہ:

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدﷺ سے اجالا کر دے

تو بچہ عظمت والا ہے:

تو مسجد والا بچہ ہے۔۔۔۔۔تو قیمت والا بچہ ہے۔۔۔۔۔تو قرآن والا بچہ ہے۔۔۔۔۔تو ایمان والا بچہ ہے۔۔۔۔۔تو توحید والا بچہ ہے۔۔۔۔۔تو مصطفےٰ والا بچہ ہے۔۔۔۔۔تو دنیا پر مقصد لے کر آیا ہے۔۔۔۔۔تم خوش نصیب ہو۔۔۔۔۔وہ سامان والے ہیں تو ایمان والا ہے۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدﷺ سے اجالا کر دے

بچے کے کان میں پیدا ہوتے ہی اذان دو، اذان کے لئے مولوی کی ضرورت ہے۔

میرے دوستو! آپ کبھی کبھی ہمارے قابو آتے ہیں سال کے بعد میں جانتا ہوں کہ آپ کا یہ وقت کھانے کا ہے۔۔۔۔۔تفریح کا ہے۔۔۔۔۔سیر کا ہے۔۔۔۔۔سینما کا ہے۔

کیا آپ کے پاس اللہ کے بندوں کے پاس بیٹھنے کا۔۔۔۔۔قرآن سننے کا۔۔۔۔۔وعظ و نصیحت سننے کا۔۔۔۔۔درس قرآن سننے کا وقت ہے۔

سینما میں پیدا ہونے والا بچہ:

واقعہ کا آپ کو علم ہے یہ کوئی بہت پرانی بات نہیں ہے۔ اخباروں میں چھپا ایک بہت پڑھی لکھی بنی سنوری عورت کے ہاں بچہ پیدا ہونے لگا۔ اس نے سوچا کہ کسی اچھی سی جگہ جا کر بچہ پیدا کروں۔ سوچ سوچ کر اس نے غور کیا کہ سینما سے بہتر کوئی جگہ نہیں۔

سینما تہذیب کا مقام۔۔۔۔۔ثقافت کا مقام۔۔۔۔۔کلچر کا مقام۔۔۔۔۔عمدہ مقام۔۔۔۔۔آرٹ کا عمدہ مقام۔۔۔۔۔وہ ریگل سینما کے سیکنڈ شو میں گئی۔ پیدا ہونے والا بچہ بھی صاحب ذوق تھا۔

اس نے کہا میں نے ایکٹر بننا ہے۔۔۔۔۔میں تہذیب والا ہوں۔۔۔۔۔میں کلچر والا ہوں۔۔۔۔۔میں آرٹ والا ہوں سینما میں ہی پیدا ہوں گا۔

بچے کے کان میں گانے کی آواز:

بچہ سینما میں پیدا ہوا، اخبارات میں خبر آئی۔ بچہ چونکہ سینما میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے کان میں اذان کی آواز کی بجائے فلمی گانے کی آواز پڑی، ناک میں سگریٹ کا دھواں گیا۔۔۔۔۔شکل دیکھی ایکٹریس کی۔۔۔۔۔سینے سے باہر گیا تو دودھ ماں کا نہیں پیا بلکہ ڈبے کا پیا۔۔۔۔۔بچہ دیسی دودھ والا تھی۔۔۔۔۔دودھ ڈبے کا پیا۔۔۔۔۔ڈبے میں دودھ پتہ نہیں کون سا ہے، گدھی کا ہے گھوڑی کا ہے، حرام کا ہے حلال کا ہے کچھ خبر نہیں۔

اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا:

طفل میں کیسے ہو خو ماں باپ کے اطوار کی
دودھ تو ڈبے کا ہے تعلیم ہے سرکار کی

نطفے کی تاثیر:

دودھ ڈبے کا پیا ہے ماں کا دودھ پیا ہی نہیں۔ یا تو نطفہ کی تاثیر ہوتی ہے یا ماں کے دودھ کا اثر۔ بچہ ماں کی گود میں بیٹھتا ہی نہیں۔۔۔۔۔ماں نماز پڑھتی ہی نہیں۔۔۔۔۔تلاوت کبھی کرتی نہیں۔۔۔۔۔نیک کام کرتی نہیں۔۔۔۔۔مثال وہ بنتی نہیں۔۔۔۔۔قرآن کبھی پڑھتی نہیں بچے کو قرآن کیسے آئے۔

بچہ پیدا ہوا سینما میں ۔۔۔۔۔ دھواں سونگھا سگریٹ کا ۔۔۔۔۔ دودھ پیا ڈبے کا ۔۔۔۔۔ پڑھا مشن سکول میں ۔۔۔۔۔ کھیلا کلب میں ۔۔۔۔۔ یا کسی ہوٹل میں ۔۔۔۔۔ مرا ہسپتال میں ۔۔۔۔۔ مسجد کا خانہ ہی خالی۔

طفل میں کیسے ہو خو ماں باپ کے اطوار کی
دودھ تو ڈبے کا ہے تعلیم ہے سرکار کی

ان لوگوں کی باتیں کیا بتائیں:۔

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے ہسپتال جا کر

دودھ پیا ڈبے کا ۔۔۔۔۔ پڑھے مشن سکول میں ۔۔۔۔۔ کھیلا وہ کلب میں ۔۔۔۔۔ رہا کسی ہوٹل میں ۔۔۔۔۔ بصیر پور آیا نہیں ۔۔۔۔۔ ایمان کہاں ملے گا۔

مولود کعبہ کا واقعہ:

ایک اور بچے کی بات سنیں ایمان زندہ ہو گیا۔

اللہ اللہ! ایک بچے کی ماں طواف کے لئے خانہ کعبہ گئی۔ بچہ پیدا ہوا تو کہاں خانہ کعبہ کے اندر، بچے کو ماں نے دیکھا کہ بچہ بہت خوبصورت ہے۔ اس کا ماتھا چوڑا ہے ۔۔۔۔۔ چہرہ نورانی ہے ۔۔۔۔۔ چھاتی خوب چوڑی ہے ۔۔۔۔۔ پیدا ہوا کعبے میں بڑا قسمت والا ہے۔

بچے کو لپیٹ لیا، بچے کو غور سے دیکھا تو بچے کی آنکھیں بند۔ بہت بڑا مؤرخ لکھتا ہے یہ مسئلہ چونکہ حلال و حرام کا نہیں فضائل کا مسئلہ ہے اس لئے بیان کر رہا ہوں۔

ماں نے دیکھا کہ بچہ تو خوبصورت ہے آنکھیں نہیں کھول رہا۔ بچہ تو اچھا ہے لیکن قسمت کا نکما ہے ۔۔۔۔۔ مخلوق نا تمام ہے ۔۔۔۔۔ درد تہہ جام ہے ۔۔۔۔۔ بچہ میرا اندھا ہے ۔۔۔۔۔ لوگوں کا محتاج ہے ۔۔۔۔۔ چلنے پھرنے سے محروم ہے ۔۔۔۔۔ بڑی مایوسی ہوئی۔

مولا علی شیر خدا کی والدہ نے جن کا نام فاطمہ ہے آپ کو کپڑے میں لپیٹ لیا بچے کو کعبے سے لے کر نکلیں ۔۔۔۔۔ علی کعبے سے جا رہا ہے ۔۔۔۔۔ نبی کعبے کی طرف آ رہا ہے ۔۔۔۔۔ مرتضیٰ جا رہا ہے ۔۔۔۔۔ مصطفےٰ آ رہا ہے ۔۔۔۔۔ باب ادھر سے جا رہا ہے شہر ادھر سے آ رہا ہے۔

انا مدینۃ العلم و علی با بھا

جز ادھر سے جا رہا ہے۔ کل ادھر سے آ رہا ہے۔

علی ادھر سے جا رہا ہے۔

نبی ادھر سے آ رہا ہے۔

حضور ﷺ سے ملاقات:

دیوار کعبہ کے قریب ملاقات ہوئی تو حضرت فاطمہ بنت اسد سے حضور ﷺ نے پوچھا آپ کے پاس کیا ہے۔ حضرت فاطمہ بنت اسد نے جواب دیا کہ یہ آپ کا غلام اور میرا بیٹا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا میں بھی اسی کو لینے آیا ہوں
کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں

حضور ﷺ نے فرمایا لاؤ اسے مجھے دے دو۔

حضرت فاطمہ نے عرض کی آقا یہ آپ کا غلام ہے مگر اندھا ہے۔ آنکھیں نہیں ہیں، آنکھیں نہیں کھول رہا۔

حضور ﷺ نے فرمایا بچہ مجھے دو، آنکھوں کا انتظام ہو جائے گا۔

حضور ﷺ نے بچے کو اٹھایا اور غور سے دیکھا۔ جناب فاطمہ نے بھی دیکھا۔

حضور ﷺ نے مسکرا کے علی کے چہرے کو دیکھا۔ علی نے موٹی موٹی آنکھیں کھول دیں اور حضور ﷺ کے جمال جہاں آراء جلووں کو دیکھنے لگے۔

ماں کا دل شگفتہ ہو گیا ۔۔۔۔۔ نابینا بچہ بینا ہو گیا ۔۔۔۔۔ ماں راضی ہو گئی ۔۔۔۔۔ سیدہ فاطمہ بنت اسد نے پوچھا حضور ﷺ آنکھیں کہاں سے آئیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا! آنکھیں اب نہیں آئیں علی آنکھیں لے کر آیا تھا علی نابینا نہیں بینا پیدا ہوا تھا مگر ازل سے وعدہ کر کے آیا تھا کہ جب تک مصطفٰے کا چہرہ سامنے نہ ہوگا میں بھی آنکھیں نہیں کھولوں گا۔

نعرۂ تکبیر اللہ اکبر

نعرۂ رسالت یارسول اللہ

پہلی نظر وہ آپ کی بھی کس بلا کی تھی
ہیں آج تک بھی چوٹ وہ دل پر لگے ہوئے

چہرہ نبی کے سامنے ہے:

سبحان اللہ پھر دیکھو مسلمان بچے کا مقام۔ پہلی نظر پڑی تو چہرہ نبی کا سامنے ہے۔ نبی کے کاندھوں پر سوار ہونے والا ۔۔۔۔۔ نبی کے گھر میں کھیلنے والا ۔۔۔۔۔ نبی کی گود میں بیٹھنے والا ۔۔۔۔۔ نبی کے درس میں پڑھنے والا ۔۔۔۔۔ رہا فاطمہ بنت اسد کے گھر میں ۔۔۔۔۔ شہید ہوا مسجد میں۔

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت
بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

علی پیدا ہوئے کعبے میں شہید ہوئے مسجد میں۔ اب مسلمان کا کیا حال ہے ۔۔۔۔۔ مسجد کا خانہ ہی خالی ہے ۔۔۔۔۔ مسجد کبھی گئے ہی نہیں ۔۔۔۔۔ قرآن کبھی پڑھا نہیں ۔۔۔۔۔ ولی کبھی دیکھا نہیں ۔۔۔۔۔ مرید کبھی ہوئے نہیں ۔۔۔۔۔ تو پھر ایمان کہاں سے آئے؟

مولوی کی ضرورت ہے:

بیٹا آپ کے ہاں پیدا ہوتا ہے تو اذان کون دیتا ہے؟ مولوی

کبھی آپ نے خود اذان کہی ہے؟ یقیناً نہیں۔ اذان کہو تو تکبیر کون کہے گا وہ آپ کو آتی ہی نہیں۔

بیٹا ہوا جوان ۔۔۔ سہرے باندھ لئے ۔۔۔ گھوڑی پر سوار ہوا ۔۔۔ بینڈ باجا بج گیا ۔۔۔ لڑکا بی اے پاس دولہا بن گیا ۔۔۔ نکاح کی محفل ہونے لگی۔ یہ تماشہ میں نے بارہا دیکھا ہے۔ مولوی صاحب ساتھ ساتھ ہیں۔ پھر مولوی کی ضرورت ہے۔

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تو نے
یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

بغیر مولوی کے نکاح کر کے ۔۔۔ مولوی درمیان میں نہ ہو تو کام بنتا ہی نہیں۔

مجلس نکاح قائم ہو گئی ۔۔۔ لڑکا گریجوایٹ، مولوی صاحب نے نکاح شروع کیا اور کہا کلمے سناؤ۔ کلمے کا نام آیا نہیں اور دولہے کو غش آیا نہیں، لڑکے کو پسینہ آ گیا، دل کا دورہ پڑ گیا۔ لڑکا شرما گیا اور شرم کے مارے زمین پر گر گیا۔ پسینہ پونچھ رہا ہے۔

مولوی جی خود ہی پڑھ ہی لو:

پاس ہی آپ جیسے تجربہ کار بھی بیٹھے ہوتے ہیں سمجھدار بندے جوان منزلوں سے گزر چکے ہیں۔

وہ کہتے ہیں لڑکا شرما رہا ہے، لڑکا حیا کر رہا ہے۔ کلمے آپ خود ہی پڑھ لیں۔

لو دیکھو! نکاح لڑکے کا کلمے مولوی پڑھے۔

آج کل کے مولوی بھی بہت ہوشیار ہیں۔ کلمے پڑھاتے ہی نہیں۔ میں نے لاہور میں تین نکاح دیکھے انہوں نے کلمے کی بات کی ہی نہیں۔ فلاں کی لڑکی تمہارے نکاح میں دی۔ لڑکے نے کہا قبول۔

انہیں پتہ ہے لڑکے کو کلمے آئیں گے ہی نہیں تو اسے کیوں شرمندہ کریں۔ ابھی مولوی یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ فلاں بنت فلاں کا نکاح فلاں سے کیا۔ ابھی الفاظ مولوی کے منہ میں ہی ہوتے ہیں اور دولہا صاحب نعرہ بلند کر دیتے ہیں کہ قبول جی!

میں حیران ہو گیا کہ اگر شرم ہوتی تو قبول کیسے کہتا؟ شرم اس بات کی نہیں ۔۔۔ گھوڑے پر سوار ہوا اسے شرم نہیں آئی۔ اس نے سہرا باندھا شرم نہیں آئی، بینڈ باجا بجا اسے شرم نہیں آئی محفل بلائی گئی شرم محسوس نہیں ہوئی، ولیمہ کروالیا شرم نہیں آئی، شرم کس بات سے آتی کہ میں بی اے پاس ہوں اور مسلمانوں کی اولاد ہوں اور مجھے کلمہ یاد نہیں۔

کنوارو! بیوی کی خاطر کلمے یاد کر رکھو۔ نکاح تو پکا ہو جائے، جو اس منزل سے کچے پکے گزر چکے ہیں جن کا نکاح ہو گیا ہے گزارہ کرتے

رہواور جن کا نہیں ہوا وہ کلمہ یاد کریں۔

یاد رکھو! کلمے یاد کرنا تو مسلمان کا فرض بنتا ہے۔

کون سی پارٹی کا لیڈر کلمہ سکھائے گا:

مجھے بتائیں کون سے پارٹی کا لیڈر آپ کو کلمہ سکھائے گا۔ یہ تو سب کہیں گے روٹی میں دوں گا، مکان میں دوں گا، لباس میں دوں گا، زمین میں دوں گا، مردے کو کفن میں دوں گا۔

یہ نہیں کہیں گے کہ کلمے میں پڑھاؤں گا، جنازہ میں پڑھاؤں گا، خدا سے ملاؤں گا، نجات میں کراؤں گا، جنت میں دلاؤں گا، جہنم سے بچاؤں گا۔ "نہ"

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تو نے
یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

حق یہاں سے ملے گا، نجات یہاں سے ملے گی، خدا یہاں سے ملے گا، رسول یہاں سے ملے گا، جنت یہاں سے ملے گی، شرافت یہاں سے ملے گی۔

امیر کے کتے کی عیادت کو جاتے ہیں:

کبھی آپ نے کسی شخص کو بیمار ہوتے دیکھا ہے۔ خبر لینے کے لئے گئے ہو ابھی میں بیان کر رہا تھا کہ امیر کا کتا السیشن بیمار ہو گیا۔ ہاں ہاں پاکستان ٹائمز نے خبر شائع کی کہ وزیر باتدبیر کا السیشن کتا زیادہ بسکٹ کھا کر بیمار ہو گیا پھر کیا ہوتا ہے سکوٹروں پر، کاروں پر، لاہور کے رئیس وزیر صاحب کے پاس آئے اور کہا حضور ہم نے اخبار میں پڑھا ہے نصیب دشمناں آپ کے کتے کا مزاج شریف خراب ہو گیا ہے۔ اب اس کا مزاج لطیف کیسا ہے؟ وزیر کا کتا ہو تو مزاج شریف۔

اگر اور کوئی شخص نمازی ہو، سات نمازیں پڑھنے والا ہو، ہمیشہ روزے رکھنے والا ہو، بہت نیک ہو، حرام کبھی نہ کھائے، اللہ تعالیٰ سے ڈرے، اس کا مکان کچا ہو اور کچی ہو، لباس پھٹا ہوا ہو، اس کا اکلوتا بیٹا مر رہا ہے، خبر لینے کے لئے کوئی نہیں جاتا۔

بتاؤ کبھی کوئی گیا ہے، کوئی نہیں جاتا، اللہ کرے آپ کبھی بیمار نہ ہوں، بہر حال

بیماری نہ ہو تو شفا کی خبر نہیں ہوتی
دکھ نہ ہو تو سکھ کا احساس نہیں ہوتا
رات نہ ہو تو صبح کا علم نہیں ہوتا
بھوک نہ ہو تو روٹی کا علم نہیں ہوتا
شر نہ ہو تو خوف کا علم نہیں ہوتا
برائی نہ ہو تو اچھائی کا علم نہیں ہوتا
کفر نہ ہو تو اسلام کا علم نہیں ہوتا
اگر منکرین نہ ہوں تو علمائے دین کا علم نہیں ہوتا
چھیڑ چھاڑ ہوتی رہنی چاہیے۔
چھیڑ خوباں سے چلی جائے ہے اسد

عورتیں عیادت کو جاتی ہیں:

مرد خبر گیری کے لئے جاتے نہیں اور ہماری بہنیں، عورتیں خبر گیری سے باز رہتی نہیں۔ دس دس میل میں پتہ چل جائے فلاں شخص بیمار ہے، یہ پانچ پانچ چھ چھ کی ٹولیوں میں خبر گیری کے لئے ضرور جاتی ہیں اور اگر پہنچ جائیں تو انشاء اللہ بندہ مار کر ہی آتی ہیں۔ پتہ نہیں کیا کرتی ہیں یہ غصے میں تو ضرور آئیں گی، لیکن میں کیا کروں۔

لطیفہ:

چوہدری صاحب ہو گئے بیمار، طبیب کو بلایا گیا۔ طبیب نے بخار دیکھنے کے لئے چوہدری صاحب کے منہ میں تھرما میٹر رکھ دیا۔

چوہدری صاحب نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

ایک منٹ کے بعد حکیم صاحب نے کہا، چوہدری صاحب تھرمامیٹر منہ سے نکال کردے دیں۔

چوہدری صاحب نے جواب دیا، حکیم صاحب کچھ دیر رک جائیں تھوڑا سا باقی رہ گیا ہے وہ بھی ختم کر لوں۔

اب بتائیں جو قوم تھرمامیٹر ہی کھا لے اسے بخار کیسے رہے گا۔

لطیفہ:

ایک شخص نے اپنی بہن کو پیغام بھیجا کہ میں بیمار ہوں میری خبر لے جاؤ۔ بہن نے کہا: نور فاطمہ، جیواں بی بی، شمیم بی بی، نسیم بی بی میرا بھائی بیمار ہے یہ نہیں کہتیں کہ خبر لے آئیں، فوراً کہتی ہیں "چلو تی منہ و کھ آیئے"۔

یہ جاتی ہی منہ دیکھنے کے لئے ہیں۔ بھائی چارپائی پر بیٹھا ہوا ہے، بہن دروازے میں پہنچی اور بھائی کو دیکھتے ہی اونچی آواز میں رونا شروع کر دیا۔

ماشاء اللہ ان کے رونے پر مکمل کنٹرول ہے۔ جسے چاہے رلائیں، جب چاہیں رلائیں، جہاں چاہیں رلائیں، دروازے میں کھڑی ہو گئی اور رونے لگی اور سہیلی سے مخاطب ہو کر کہنے لگی نور فاطمہ میرا بھائی تو پہچانا ہی نہیں جاتا (ہائے ہائے نی میرا ویر تے پچھانیا ای نئیں جاندا)

بھائی کو ہول اٹھنے شروع ہوئے کہ مجھے تو میری بہن ہی نہیں پہچان پائی۔

پہلی نے کہا بھائی پہچانا ہی نہیں جاتا۔۔۔ دوسری نے کہا گھوڑی خود بخود واپس ہو گئی۔۔۔ تیسری نے چلانا شروع کر دیا بھائی صاحب گر گئے۔۔۔ میں اپنی ماؤں بہنوں سے گذارش کرتا ہوں کہ خدا کے لئے بندے نہ مارا کرو، عیادت کا ثواب بڑا ہے۔

حضور ﷺ نے کہا بیمار کی عیادت کرو:

میرے آقا و مولیٰ کملی والے نے فرمایا! غریب کی خبر لینے کے لئے جاؤ۔۔۔ جو شخص غریب کی خبر لینے کے لئے جائے غریب سمجھ کے۔۔۔ مومن سمجھ کے۔۔۔ ستر ہزار فرشتہ اس کے پیچھے دعا کرتا جاتا ہے جو عیادت کے لئے جاتا ہے۔۔۔ جب تک وہ خبر لیتا رہے ستر ہزار فرشتہ اس کے لئے دعا کرتا ہے۔

میرے دوستو! بات دور چلی جائے گی۔ میں کہہ رہا تھا پیدا ہونے کے بعد اذان کہے تو مولوی، نکاح پڑھائے تو مولوی۔

بندہ بیمار ہوا تو اس کا سانس رک گیا، نہ سانس اندر جائے نہ باہر آئے۔ امیر مرتا دیکھا ہے۔

خان صاحب کہاں ہیں، چوہدری صاحب کہاں ہیں، شیخ صاحب کہاں ہیں، مر رہے ہیں، فوت ہو رہے ہیں، کتنی دیر ہوئی ہے، سات دن ہو گئے ہیں نہ سانس اندر اور نہ باہر۔

نیک لوگوں کی موت:

اور میں نے نیک لوگوں کو فوت ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے قبلہ عالم کے تین خلفاء مرید فوت ہوتے دیکھے ہیں۔ پہلے خوف الٰہی سے چہرہ زرد، موت کا وقت قریب آیا تو چہرہ سرخ، حسن آ گیا۔۔۔ آنکھوں میں سرور۔۔۔ چہرے پر نور۔۔۔ ایک ہی فقرہ کہا! راستہ چھوڑ دو میرا پیر آ رہا ہے۔

نشان مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

اللہ اللہ! موت بھی حیات ہے۔۔۔ سکھ ہے، پیغام وصال ہے، محبوب کا ملاپ ہے، اس لئے اللہ والوں کو بہت خوشی ہوتی ہے۔

دنیا دار کہتے ہیں کہ ہائے میرے بیٹے، میری بیوی، میرے بنک اکاؤنٹ، میری کوٹھیاں، ہائے میں کیا کروں۔

اللہ والا دنیا میں رہنا نہیں چاہتا اور دنیا دار جانا نہیں چاہتا۔

دوراہے میں دیر و حرم کے کوے ہیں
تری جستجو میں سفر کرنے والے

دوسرا مقام:

باپ کی جان نہیں نکل رہی تو بیٹا کہتا ہے، مولوی جی یٰسین پڑھو۔ جو قرآن مرتے ہوئے تمہیں جان کنی کی تکلیف سے آرام دیتا ہے، یٰسین پڑھتے ہوئے تمہیں آرام پہنچاتا ہے، یہ تو دوسرے کے منہ سے سن کر آرام پہنچنے کی بات ہے اگر زندگی میں خود تلاوت کرو تو تمہیں کتنا فائدہ ہوگا۔

مرتے ہوئے کسی اور کے منہ سے سنتے ہوئے بھی قرآن مجید فائدہ دیتا ہے۔

تیسرا مقام:

جنازے کا تیسرا مقام، مردہ پڑا ہوا ہے، سب نے وضو کر لئے اور کھڑے ہو گئے۔

ایک اور بات جو قابل غور ہے میں نے بھی اکثر دیکھی ہے کہ اگر مرنے والا کوئی امیر آدمی ہو تو کوئی کار پر آ رہا ہے، کوئی سکوٹر پر آ رہا ہے۔ میں بھی آ۔۔۔۔ تو بھی آ۔۔۔۔۔

ایک اور بات میں نے دیکھی ہے کہ نماز جنازہ پڑھتے ہوئے ہونٹ ہل رہے ہیں۔ ایمانداری سے بتاؤ کیا آپ کو نماز جنازہ آتی ہے، صرف چند علمائے کرام کے۔

لوگ تو زندوں سے چار سو بیسی کرتے ہیں اور آپ مردوں سے چار سو بیسی کرتے ہیں، اسی طرح آپ کے ساتھ ہو گا۔ جیسی آپ نماز جنازہ لوگوں کی پڑھتے ہیں اسی طرح کی نماز جنازہ آپ کی ادا ہو گی۔

اس مقام پر کون کام آ رہا ہے مولوی

لڑکا پیدا ہو تو اذان کون دے، مولوی

نکاح ہو تو کلمے کون پڑھائے، مولوی

اگر جان کنی کا عالم ہو تو جان کون بچائے، مولوی

انشاء اللہ نجات بھی کرائے، مولوی

جنہیں حقیر سمجھ کے بھلا دیا تو نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

یہاں اصلاح دل بھی ہوتی ہے:

میرے دوستو! نظام قرآن کے لئے جو عظیم درس ہے، میں اس درس پر ناز کرتا ہوں، یہاں عقل بھی ملتی ہے، یہاں علم بھی ہے، یہاں فضل بھی ہے، یہاں حال بھی ہے، یہاں قال بھی ہے، یہاں ذوق بھی ہے، یہاں جمال بھی ہے، یہاں کمال بھی ہے۔ استاد ایسے ہیں جو اللہ اللہ بھی کرواتے ہیں، استاد ایسے ہیں جو اصلاح دل بھی کرواتے ہیں۔ ایسے بھی میں جو اصلاح دماغ بھی کرواتے ہیں جو فقیہہ اعظم بھی ہیں۔

میں ان کا فتویٰ مانتا ہوں:

آپ روشن خیال فقیہہ ہیں۔ ان کے لباس کی سادگی پر نظر نہ ڈالو۔ اتنا روشن اور جامع و مانع فقیہہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اپنے اپنے ذوق کی بات ہے۔ جہاں تک فقہ کا تعلق ہے میں فتویٰ ان کا مانتا ہوں۔ اپنی اپنی محبت کی بات ہے۔ اپنے اپنے ذوق کی بات ہے مجھے تعلق ہے۔ اتنا روشن خیال فقیہہ میں نے نہیں دیکھا۔ بہت بڑے ادیب بھی، خطیب بھی، علیم بھی، فہیم بھی، فقیہہ بھی، محدث بھی اور سب سے بڑی بات ہے کہ صحیح معنوں میں درویش بھی، صوفی بھی عالم بھی، فاضل بھی، اللہ اللہ کرنے والے بھی۔

یہ تربیت بھی کرتے ہیں، علم بھی پڑھاتے ہیں۔

میں ہدیہ تبرک پیش کرتا ہوں کہ آپ کو ایسا عظیم مقام میسر ہے۔

میرے دوستو!

وہ اور ہوں گے جو پانی ملا کے پیتے ہیں
یہاں طلب نہیں بھی بوتل ہلا کے پیتے ہیں
کوئی تو بات ہے ساقی جو مے کدے میں ضرور
کہ دور دور سے مے خوار آ کے پیتے ہیں

یہاں توحید خالص کا درس ہوتا ہے۔ تصور نبوت خالص کا درس ہوتا ہے، کوئی رد و کد نہیں

وہ اور ہوں گے جو پانی ملا کے پیتے ہیں
یہاں طلب نہیں بھی بوتل ہلا کے پیتے ہیں
کوئی تو بات ہے ساقی کے مے کدے میں ضرور
کہ دور دور سے مے خوار آ کے پیتے ہیں

قریب مے کدہ ہونا خدا کی رحمت ہے
نشہ اتار میں دیکھا تو آ کے پیتے ہیں

پہلے میرے مخاطب عوام الناس تھے اب علما، خواص ہیں۔ میں آپ سے خدا کے نام پر، مصطفٰے ﷺ کے نام پر، اسلام کے نام پر درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ اگر پاکستان میں دستور اسلام قرآن کے مطابق نہ بنا، نہ ہمیں خدا معاف کرے گا، نہ ہمیں رسول معاف کرے گا اور نہ ہی ہمیں آنے والی نسلیں معاف کریں گی۔

پاکستان قرآن کے لئے بنا تھا۔ اگر قرآن ہے تو پاکستان ہے۔ دستور قرآن ہے تو پاکستان ہے۔

ہم نے کوئی قانون اسلام کے خلاف نہیں بننے دینا۔ اگر کوئی قانون اسلام کے خلاف بنے تو ہر پاکستانی کو حق حاصل ہے کہ اس قانون کو ہائیکورٹ میں چیلنج کر سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری عدلیہ آزاد ہوگی۔ پاکستان کے بانی علمائے کرام کے مصدقہ اگر دستور کو تسلیم کر لیں تو ہمارا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ ہم اس بات پر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہمارا دستور اس بات کی ضمانت دے کہ ہر شخص کو روٹی، ہر شخص کو مکان، ہر شخص کو کپڑا، ہر شخص کو تعلیم، غریب کا علاج مفت کیا جائے گا، یہ بھی اسلام کا دستور ہے دستور میں ثابت کیا جائے کہ شراب بند کی جائے گی، زنا بند کیا جائے گا، بدمعاشی بند کی جائے گی، حرام بند کیا جائے گا۔

مسلم حکومت کے فرائض:

مسلم حکومت کا فرض ہے کہ نیکی کو پھیلائے، برائی کو روکے، قرآن کا دستور ہو، قرآن کا دستور ہوگا تو فرشتے بھی مدد کریں گے، پاکستان کا دفاع ہوگا تو ملک مضبوط ہوگا، جھگڑا کم ہوگا، ذاتی جھگڑے کم ہو جائیں گے، لسانی جھگڑے ختم ہو جائیں، اخوت قائم ہو جائے گی، وحدت قائم ہو جائے گی، مرکز مضبوط ہو جائے گا تو ہم مصطفٰے کے غلام بن کر دنیا کے امام بن جائیں گے۔

و ما علینا الا البلاغ المبین۔

☆☆☆

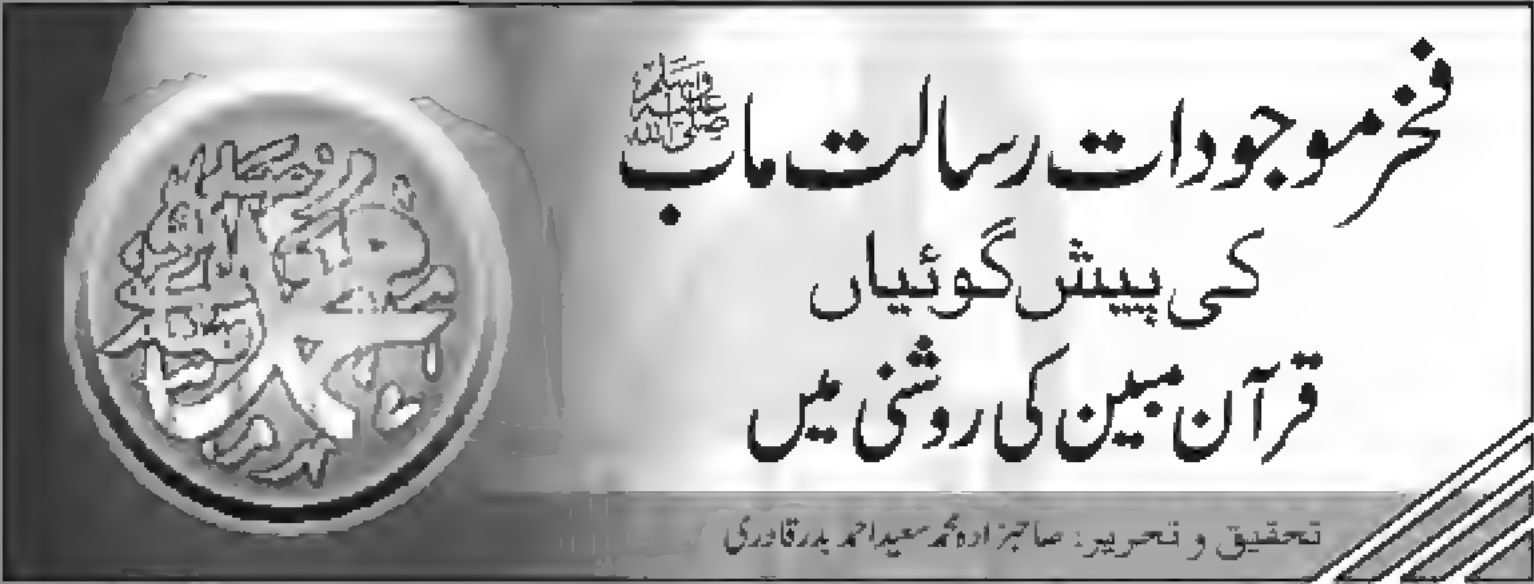
فخر موجودات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم
کی پیش گوئیاں
قرآن مبین کی روشنی میں
تحقیق و تحریر: صاحبزادہ محمد سعید احمد بدر قادری

دلچسپ امر یہ ہے کہ قرآن حکیم میں یہودیوں کو "اے یہودیو" کہہ کر نہیں پکارا گیا بلکہ ہر جگہ اور ہر مقام پر ان الفاظ میں پکارا گیا کہ "اے وہ لوگو! جو یہودی بن گئے ہو، یا جنہوں نے یہودیت اختیار کر لی ہے۔" اس کا سبب یہ ہے کہ اصل دین جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان سے پہلے بلکہ بعد کے انبیائے کرام لائے تھے وہ درحقیقت اسلام ہی تھا۔ ان تمام انبیاء میں سے کوئی بھی یہودی نہ تھا اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے زمانے میں یہودیت کا وجود ہی نہ تھا۔ اس نام کے ساتھ نئے مذہب کا آغاز، بہت بعد کی پیداوار ہے۔ یہ دراصل اس خاندان کی طرف منسوب ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے "یہوداہ" کی نسل سے تھا۔

ایک ممتاز مورخ لکھتا ہے کہ حقیقت ہے کہ عرب یہودیوں کی کوئی مستند تاریخ موجود نہیں۔ انہوں نے اپنی کوئی ایسی تحریر یا کتاب بھی نہیں لکھی جو تاریخ کا درجہ رکھتی ہو۔ اسی طرح ایسے کتبے بھی نہیں ملتے جن سے یہودیوں کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہو۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ عرب سے باہر کے مورخین نے بھی ان کا کہیں ذکر نہیں کیا جس کی وجہ سے ہے کہ جزیرۃ العرب میں آکر وہ دیگر ابنائے وطن سے کٹ گئے اور دنیا کے یہودی ان کو اپنوں میں شمار ہی نہیں کرتے تھے کیونکہ انہوں نے عبرانی تہذیب، زبان حتیٰ کہ نام تک چھوڑ کر عربی رنگ، ڈھنگ اختیار کر لئے تھے حجاز کے کتبوں کے مطابق پہلی صدی عیسوی میں یہودیوں کا نام و نشاں نہیں ملتا۔ حیران کن بات ہے کہ یہودی عرب کی تاریخ کا بیشتر حصہ زبانی روایات پر مبنی ہے جو اہل عرب میں پھیلا ہوا تھا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آخری عہد میں جزیرۃ العرب میں آکر آباد ہوئے۔

جلیل القدر پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جب سلطنت دو ٹکڑوں میں بٹ گئی تو یہ خاندان اس ریاست کا مالک ہوا جو "یہودیہ" کے نام سے موسوم ہوئی اور بنی اسرائیل کے دوسرے قبائل نے اپنی علیحدہ ریاست قائم کر لی جو "سامریہ" کے نام سے مشہور ہوئی۔ پھر اسیریا نے نہ صرف یہ کہ سامریہ کو تباہ و برباد کر دیا بلکہ ان تمام اسرائیلی قبائل کا نام و نشان تک مٹا دیا جو اس ریاست کے بانی تھے۔ اس کے بعد صرف "یہوداہ" اور اس کے ساتھ حضرت بنیامین کی نسل باقی رہ گئی جس پر "یہوداہ" کی نسل کے غلبہ کی وجہ سے ان پر "یہود" ہی کے لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔ اس نسل کے اندر کاہنوں، ربیوں اور احبار نے اپنے خیالات و نظریات اور رجحانات کے مطابق عقائد، رسوم اور مذہبی ضوابط پر مبنی جو ڈھانچہ صدیوں میں تیار کیا اس کا نام "یہودیت" ہے۔ یہ ڈھانچہ چوتھی صدی قبل مسیح میں بننا شروع ہوا اور پانچویں صدی عیسوی تک معرض وجود میں آتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی لائی ہوئی ربانی ہدایت کا تھوڑا بہت عنصر اس ڈھانچے میں ضرور شامل ہے لیکن دراصل اس کا حلیہ اور شکل و صورت بگڑ چکی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن پاک میں اکثر و بیشتر مقامات پر ان لوگوں کو الذین ھادوا کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ یعنی "اے وہ لوگو! جو یہودی بن گئے ہو"۔ دراصل ان میں سب کے سب اسرائیلی ہی نہ تھے بلکہ وہ غیر اسرائیلی بھی شامل تھے جنہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ قرآن عظیم میں جہاں کہیں ان کو "بنی اسرائیل" کہہ کر خطاب کیا گیا ہے، وہاں "اے بنی اسرائیل" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور جہاں مذہب یہود کے پیروکاروں کو پکارا گیا ہے وہاں الذین ھادوا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

دلچسپ امر یہ ہے کہ دین میں تحریف و تصریف کرنے والے ان یہودیوں نے خود کو خدا کی برگزیدہ مخلوق بھی تصور کرنا شروع کر دیا۔ وہ ہمیشہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ خدا کے ساتھ ان کا ایک خاص رشتہ ہے جو کسی دوسرے انسانی گروہ سے نہیں۔ قرآن مجید نے کئی ایک مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے (۱) (البقرہ، آیت نمبر ۱۱۱) میں وہ کہتے ہیں کہ "یہودیوں کے سوا کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا (۲) ہمیں دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی اور اگر ہم کو سزا ملے گی تو وہ چند روزہ ہوگی" (البقرہ۔ ۸۰) "ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں" (المائدہ۔ ۱۸) ایسے ہی بعض دوسرے دعوے یہودیوں کی کتابوں میں بھی موجود ہیں، اس کے برعکس قرآن پاک ہی میں سورہ الجمعہ کی آیت نمبر ۵ میں فرمایا گیا ہے:

مثل الذین حملوا التورۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفاراً بئس مثل القوم الذین کذبوا بایت اللہ۔ واللہ لا یھد القوم الظلمین۔

"جن لوگوں کو تورات کا حامل بنایا گیا تھا مگر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا۔ ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں۔ اس سے زیادہ بُری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلا دیا ہے۔ ایسے ظالموں کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت نہیں دیتا۔"

سورہ الحشر کی آیت نمبر ۳ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"اگر اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا ہی میں وہ انہیں عذاب دے ڈالتا اور آخرت میں تو ان کے لئے عذاب ہی ہے۔"

دراصل مدینہ کے یہودی قبیلہ بنوقینقاع نے مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے معاہدہ امن کی خلاف ورزی کی تو رسالت مآب ﷺ نے ان کے خلاف لشکر جمع کیا لیکن وہ لوگ محصور ہو گئے۔ بعد میں انہوں نے جلاوطنی قبول کر لی اور آپ ﷺ نے انہیں مدینہ سے جانے کی اجازت دے دی۔ جاتے ہوئے وہ اپنے تمام مکانات، محلات اور باغات تباہ کر گئے تاکہ مسلمانوں کے کام نہ آسکیں۔ اس سے یہودی ذہنیت کی خباثت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

سورہ التوبہ آیت 30، 31 میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ "یہودی اپنے بعض رسولوں کو خدا کے بیٹے قرار دیتے تھے"۔

> "یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو وہ اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں، ان لوگوں کی دیکھا دیکھی جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا تھے۔ خدا کی مار ان پر، یہ کہاں سے دھوکہ کھا رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو ایک خدا کی بندگی کا حکم دیا گیا تھا۔"

حضرت عزیر سے مراد حضرت عزرا (EZRA) ہیں جن کو یہودی اپنے دین کا مجدد مانتے ہیں ان کا زمانہ 450 کے قریب ہے اسرائیلیات کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پر جو دور ابتلا آیا اس میں تورات گم ہو گئی تھی۔ آخر کار انہی حضرت عزیر یا عزرا نے بائبل کے پرانے عہد نامے کو مرتب کیا اور شریعت کی تجدید کی، ان کی عزت و تکریم اس قدر بڑھی کہ یہودی انہیں "ابن اللہ" یعنی اللہ کا بیٹا کہنے لگے۔

دراصل یہودیوں نے مصر و یونان اور ایران کی تباہ شدہ قوموں کے اوہام و تخیلات کو اپنا لیا تھا اور ویسے ہی گمراہی پر مبنی عقائد ایجاد کر لئے تھے۔ حتیٰ کہ یہ لوگ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینے لگے۔

غرض کہ قرآن پاک میں بیشتر دیگر مقامات پر یہودیوں کی گمراہی کے بارے میں اشارات موجود ہیں۔ بائبل میں تحریف تو امر مسلمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مغضوب اور معتوب قرار دیا ہے۔ شرک اس کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

امام احمد رضا خاں کی کنز الایمان میں جناب نعیم الدین مراد آبادی نے حاشیہ میں درج بالا آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "تاریخ شاہد ہے کہ شہنشاہ بخت نصر اور سنجاریب نے نیز شاہان روم یہودیوں کو سخت سزائیں دیں اور بے پناہ تکالیف و مصائب میں مبتلا کر دیا۔ یہودیوں کی مسلسل اور متعدد بربادیوں کی حکایات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ یونانی حکمران انٹیوکس ثالث نے (جس کا تعلق سلوقی سلطنت سے تھا اور اس کا دارالحکومت انطاکیہ تھا) 98ق م میں فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ وہ یہودی مذہب کے سخت خلاف تھا کیونکہ یونانی لوگ مشرک اور اباحیت پسند تھے۔ یونانیوں نے یہودیوں پر اپنی تہذیب اور تمدن مسلط کر دیا۔"

157 ق۔م میں انٹیوکس چہارم تخت نشین ہوا تو اس نے پوری قوت سے یہودی مذہب اور تہذیب کی بیخ کنی کی۔ اس نے ایسے ذرائع اختیار کئے جن سے یہودیوں کے عام عقائد، عبادات، شعائر اور اصول معاشرت کو پورا پورا نشانہ بنایا گیا۔ اس جبر و تشدد کے خلاف یہودیوں کی مکابی تحریک نے سخت مزاحمت کی لیکن جلد ہی یہ تحریک بھی دم توڑ گئی۔ آخر کار یہودیوں کے ایک گروہ نے رومی فاتح پومپی کو خود فلسطین آنے کی دعوت دی۔ اس نے 63 ق م میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے یہودیوں کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔ رومیوں کی پالیسی تھی کہ وہ مقامی حکومت قائم کر دیا کرتے چنانچہ انہوں نے ہیرود نامی یہودی کو گورنر مقرر کر دیا جو ہوشیار اور شاطر یہودی تھا۔ اس نے ایک طرف تو مذہبی پیشواؤں کی سرپرستی کی اور دوسری طرف رومی تہذیب و تمدن کو فروغ دے کر قیصر روم کی خوشنودی حاصل کر لی۔ یہ حکمران تاریخ میں ہیرود اعظم کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے زمانے میں یہودی اخلاقی پستی اور ادبار کا شکار تھے اور زوال کی آخری حد تک پہنچ چکے تھے۔

۶۱۔ق م میں ہیرود اعظم کا پوتا ہیرود اعظم اگرپا حکمران بنا، اس نے یہودیوں پر مظالم کی انتہا کر دی اور ان کا جینا حرام کر دیا۔ اس کے بعد 64 اور 66ء کے درمیان رومیوں نے یہودی بغاوت کچلنے کے لئے سخت فوجی کارروائی کی اور 70ء میں ٹیٹس نامی فاتح نے بزور شمشیر یہودیوں کا مقدس شہر یروشلم فتح کر لیا۔ اس موقع پر ایک لاکھ 33 ہزار افراد قتل کئے گئے۔ 67 ہزار غلام بنا لئے گئے۔ ہزارہا آدمی پکڑ کر مصری کانوں میں کام کرنے کے لئے بھیج دیے گئے اور ہزاروں آدمیوں کو گرفتار کر کے مختلف شہروں میں بھیجا گیا تاکہ ایمفی تھیٹروں اور کلوسیموں

میں ان کو جنگل جانوروں سے پھڑوانے یا شمشیر زنوں کے کھیل کا تختۂ مشق بننے کے لئے استعمال کیا جائے، تمام دراز قامت حسین و جمیل لڑکیاں فاتحین کے لئے چن لی گئیں اور یروشلم کے ہیکل کو پیوند زمین کر دیا گیا۔ اس وقت اس کی تفصیل بیان ہمارا موضوع نہیں، ورنہ تاریخی شواہد سے بآسانی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ یہودی گمراہ اور مغضوب قوم ہیں، سورہ آل عمران کی آیت نمبر 112 میں واضح طور پر یہودیوں کی ذلت و رسوائی اور مسکنت کا ذکر ہے۔

ضربت علیهم الذلة این ما ثقفوا الا بحبل من الله و حبل من الناس

''ان پر ذلت تھوپ دی گئی جہاں بھی وہ پائے جائیں، بجز اس کے کہ کہیں ان کو اللہ کی طرف سے اور انسانوں کی طرف سے تحفظ کی ضمانت مل جائے''

''اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں نے کنز الایمان میں اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''ان پر جما دی گئی خواری، جہاں وہ ہوں، امان نہ پائیں، مگر اللہ کی ڈور اور آدمیوں کی ڈور سے اور غضب الٰہی کے سزاوار ہوئے اور ان پر جما دی گئی محتاجی۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے، یہ اس لئے کہ وہ نافرمان اور سرکش تھے''

ایک ممتاز مفسر اور محقق نے اس آیت کے بارے میں لکھا ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ''یہودیوں پر ذلت محتاجی اور مسکنت تا قیامت جاری رہے گی فلسطین میں موجودہ حکومت قائم ہو جانے سے آیت کے معانی و مفہوم میں کوئی فرق نہیں آتا۔''

یہ آیت تمام ملت یہود کے بارے میں مجموعی حیثیت سے ایک حکم لگاتی ہے۔ یہودیوں کے ایک ایک فرد یا افراد کے چھوٹے گروہوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ اس کیفیت کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کی فیصلہ صادر ہونے کے بعد قیامت تک ان پر من حیث المجموع دنیا بھر میں طاری رہے گی۔ اس سے یہ مفہوم لینا لازمی اور ضروری نہیں کہ اس طویل مدت کے دوران میں کبھی کسی مختصر مدت یا عرصہ کے لئے زمین کے کسی بھی گوشے، حصے یا علاقے میں انہیں اقتدار نصیب نہیں ہوگا۔ دراصل اس آیت کے معانی و مفہوم کو سمجھنے کے لئے، یہودی قوم کی تاریخ کو جاننا اور ان حالات و واقعات سے آگاہ ہونا ضروری ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آج تک اس قوم پر گزرے ہیں۔ تاریخ یہود پر نظر ڈالی جائے اور وہ ان کی موجودہ حالت پر غور کیا جائے جو بحیثیت مجموعی آج دنیا بھر میں پائی جاتی ہے تو قرآن عظیم کے فرمودات کی پوری پوری تصدیق ہو جاتی ہے۔

سورہ الاعراف کی آیت نمبر 167 میں ارشاد ربانی ہے۔

واذ تاذن ربک لیبعثن علیهم الیٰ یوم القیمة من یسومهم سوء العذاب

''اور جب اعلان کر دیا تیرے رب نے کہ قیامت تک ان پر کسی نہ کسی ایسے شخص کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سخت عذاب دے گا۔''

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں نے کنز الایمان میں اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

''اور جب تمہارے رب نے حکم سنا دیا کہ ضرور قیامت کے دن تک ان پر ایسے کو بھیجتا رہوں جو انہیں بری مار چکھائے۔''

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر شہنشاہ بخت نصر، سنجاریب اور شاہان روما کو ایسا مسلط کیا کہ انہوں نے ان پر مصائب و آلام کی انتہا کر دی۔

تاریخ عالم کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہو کر سامنے آتی ہے کہ وقتاً فوقتاً دنیا کے کسی نہ کسی گوشے یا علاقے میں کوئی نہ کوئی ایسی طاقت اٹھتی رہی ہے جو یہودیوں کو خوب مارتی اور کھدیڑتی رہی ہے۔ قرآن پاک کے ارشادات کی حقیقت اس امر سے ظاہر ہے کہ جہاں کہیں بھی یہودی خیریت و عافیت سے رہے، وہاں وہ اپنی طاقت یا بل بوتے پر نہیں رہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فراہم کردہ مواقع کی بنا پر کسی دوسرے انسانی گروہ کی حمایت میں آجانے یا ان کی امداد و اعانت کے سبب رہے۔ عہد حاضر میں جرمنی کے ہٹلر نے یہودیوں کو مار مار کر ادھ موا کر دیا بلکہ ہلیک ہول کا واقعہ اگر صحیح ہے تو اس کے مطابق ہٹلر کے حکم پر جرمنی میں لاکھوں یہودی مارے گئے۔ یہ واقعہ صحیح نہ بھی ہو تو پھر بھی واقعات بتاتے ہیں کہ ہٹلر نے ہزاروں لوگوں کو ضرور قتل کیا اور باقیوں کو جرمنی سے نکال باہر کیا۔

یوں لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم سے اس کی بداعمالیوں اور حرام کاریوں کی وجہ سے ناراض ضرور ہے لیکن اس کو سرے سے ہی من حیث

القوم فنا و برباد نہیں کرنا چاہتا بلکہ ذلت و رسوائی کا نمونہ اور نشان بنا کر برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ اگر اس قوم پر اللہ کی طرف سے عذاب و تعذیب کے کوڑے مسلسل برستے رہتے تو یہ قوم صفحۂ ہستی سے بالکل مٹ چکی ہوتی اور آج اس کا کہیں نام و نشان تک نہ ہوتا۔ دراصل اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ سے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ کہیں یہ قوم پٹتی رہتی ہے اور کہیں اسے پناہ مل جاتی ہے۔ اس طرح یہ ہزار برس سے لا یموت فیھا ولا یحییٰ کے مصداق دنیا میں جی رہی ہے۔

عہد حاضر میں ہی دیکھ لیں، فلسطین میں یہودی حکومت کا قیام برطانیہ و امریکہ حتیٰ کہ دنیا کے تمام دیگر ممالک کی امداد اور تعاون سے عمل میں آیا حتیٰ کہ روس نے بھی اس کے حق میں ووٹ دیا۔ اب تک امریکہ، برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک اس کے پشت پناہ بنے ہوئے ہیں اور اسے اسلحہ کے ڈھیر اور ڈالرز کے انبار دے کر اس کو قائم رکھے ہوئے ہیں ورنہ کمزور ہونے کے باوجود عرب ایک دن بھی انہیں زندہ نہ رہنے دیتے۔

قرآن مبین نے نہ صرف گزشتہ واقعات اور انبیائے کرام کے حالات بیان کئے ہیں بلکہ آئندہ برسوں اور صدیوں میں وقوع پذیر ہونے والے حوادث اور واقعات کو بھی مختلف مقامات پر بیان کیا ہے جنہیں پیش گوئیاں یا پیشین گوئیاں کہا جاتا ہے۔ انگریزی زبان میں انہیں PROPHCIES کہا جاتا ہے۔ ان میں بیشتر پیشین گوئیاں حضور رسالت مآب ﷺ کے دور مبارک ہی میں پوری ہوئیں، کچھ بعد کے ادوار میں ظہور پذیر ہوئیں اور بعض ایسی بھی ہیں جو ابھی پوری ہونے والی ہیں۔

قرآن حکیم کے معجز ہونے کے بارے میں قرآن پاک ہی کی خاص پیشین گوئیاں صبح صادق اور روز روشن کی طرح، نور بصیرت کی افزائش اور قلوب و اذہان کو بالیدگی بخش رہی ہیں۔ ان کی بعض باتیں بطور خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ مضمون کے آغاز میں ہم بتا چکے ہیں کہ ان پیشین گوئیوں کے اہل عرب پر کیا اثرات ہوئے؟

قرآن پاک میں مندرج ہر پیشین گوئی میں حزم و احتیاط کو پہلو برقرار رکھا گیا ہے۔ ان میں عہد عرب کے کاہنوں، نجومیوں، ستارہ شناسوں اور ساحروں کا انداز اختیار نہیں کیا گیا جن میں "ابہام" بہر صورت موجود ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن پاک کی یہ پیش گوئیاں ایسے ناموافق کوائف اور ناسازگار حالات میں کی گئیں کہ ان کے پورا ہونے کی ادنیٰ سی بھی علامات یا آثار موجود نہ تھے۔ مزید برآں ان میں اکثر و بیشتر پیشین گوئیاں لفظ بہ لفظ اور حرف بحرف صحیح اور درست ثابت ہوئیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ "کسی شخص کو بھی یہ علم نہیں کہ آئندہ کل کو وہ کیا کرے گا" کیونکہ غیب کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے لیکن وہ بوقت ضرورت اپنے نبیوں اور رسولوں پر اس کا کچھ حصہ ظاہر فرماتا رہا ہے۔ اس کی تصدیق کے لئے قرآن ہی میں یہ ثبوت موجود ہے۔

> "وہ (اللہ) کسی پر غیب ظاہر نہیں کرتا مگر جس رسول سے خوش ہو" اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کبھی وحی کے ذریعے اپنے نبیوں اور رسولوں کو علم پہنچایا اور کبھی خوابوں کے ذریعے۔"

غلبۂ اسلام کی پیش گوئی:

قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

> **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون .**
>
> "اللہ کی شان یہ ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ تمام ادیان پر غالب اور حاوی کرے۔ بے شک مشرک اس کا برا ہی کیوں نہ مانتے رہیں۔"

درج بالا آیت مبارکہ میں رب کریم و رحیم نے فرمایا ہے کہ اسلام دنیا کے تمام ادیان اور مذاہب پر بالآخر غالب ہو کر رہے گا۔ اس کی مثال خلافت راشدہ کے دور میں بھی ملتی ہے، جب اسلام پورے عربستان میں پھیل گیا اور پھر مصر و شام اور مراکش و سوڈان تک پہنچ گیا اور دوسری طرف ایران سے ترکستان اور ہندوستان تک پھیل گیا۔ اس کے بعد دو سنہری دور بھی آیا جب آل عثمان نے یورپ میں دریائے ڈینوب تک اسلام کے جھنڈے گاڑ دئے اور چھ سو سال تک بلا شرکت غیرے حکمران رہے۔

اس وقت دنیا میں ڈیڑھ ارب کے قریب مسلمان موجود ہیں اور آج بھی مراکش سے انڈونیشیا تک اسلام کا طوطی بولتا ہے۔ قرآن اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر اسلام پھر تمام روئے زمین میں پھیل جائے گا۔

تاریخی طور پر بھی یہ ثابت ہے کہ ظہور اسلام کے وقت عرب کے جنوب میں حبشہ میں عیسائیوں اور شمال میں اہل روما کی سپر پاور موجود

تھی، نہ صرف جو غسان عیسائی تھے بلکہ عراق، بحرین فاران اور دومتہ الجندل میں بھی عیسائی حکمران تھے۔ 395ء سے 513ء تک عیسائیوں نے اپنی پوری قوت وہمت اس کوشش میں صرف کردی کہ عیسائیت کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو لیکن ایک مورخ پروفیسر سیڈیو کے مطابق اسلام نے چند ہی برسوں میں ان تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

یہی حال یہودیوں کا ہے۔ جب یونانیوں اور سریانیوں نے یہودیوں کو نکال باہر کیا تو یہودی عرب کے شمالی علاقوں حتیٰ کہ یثرب پر قابض ہو گئے لیکن اسلام نے آتے ہی ان کی کمر توڑ دی اور پھر بالآخر یہودیوں کو عرب کی سرزمین ہی سے خارج کر دیا۔

عربستان کے مشرق میں مجوسی اور آتش پرست حکمران تھے۔ بعض عرب علاقوں پر بھی ایران ہی کی طرف سے گورنر مقرر کیا جاتا تھا۔ اسلام نے نہ صرف آتش پرستوں کی آگ ٹھنڈی کردی بلکہ ہزاروں برسوں سے روشن ایران کا آتش کدہ بھی سرد کر دیا۔ مجوسی اپنی بہن اور بیٹی کو بھی بیوی بنا لیا کرتے تھے۔ اسلام نے اس رسم بد کا خاتمہ کر دیا۔

ان ادیان و مذاہب کے علاوہ اسلام نے بت پرستی کا بھی قلع قمع کیا۔ ابن الحی نام ایک شخص ملک شام سے کچھ بت عرب میں لے آیا۔ اس کے بعد عربوں میں بت پرستی عام ہوگئی۔ اسلام سے تین صدیاں قبل ہی عربوں میں اصنام پرستی پھیل گئی۔ لیکن اسلام نے ان سب کا خاتمہ کر دیا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے کعبۃ اللہ میں رکھے گئے تمام بت ایک ایک کر کے توڑ دئے۔

اسلام کا پایہ تکمیل تک پہنچنا:

رب کریم ورحیم نے قرآن حکیم میں وعدہ فرمایا ہے کہ

واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون

"اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا خواہ کافروں کو کیسا ہی گراں گزرے"

اس کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، جنہوں نے فرعون کو غرق نیل کیا اور نہایت کامیابی سے اپنی قوم کو مصر سے نکال کر صحرائے سینائی میں لے آئے لیکن اپنے تمام تر بے نظیر و بے مثال معجزوں کے باوجود "ارض موعود" میں بنی اسرائیل کو نہ پہنچا سکے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو بارہ اسباط پر حکومت ملی، جالوت کو بے تیغ کیا، ہوئیل کو زیر کیا اور شہر یار بنایا۔ کئی قلعے تعمیر کئے لیکن وہ "خدا کا گھر" نہ بنا سکے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنی تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ یوحنا باب 16 کے مطابق انہوں نے خود فرمایا:

> "میں مکمل تعلیم نہ دے سکا، اور مکمل صداقت نہ سکھا سکا" اس کے مقابلے میں قرآن پاک کا اعلان ہے کہ اسلام مکمل ہو کر رہے گا اور اللہ تعالیٰ کا نور بہ درجہ کمال تک پہنچے گا۔ حیران کن امر یہ ہے کہ درج بالا آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمان فاقہ کشی کا شکار تھے۔ حتیٰ کہ نماز بھی دشمنوں کے خوف سے چھپ چھپ کر ادا کیا کرتے تھے۔ اس اعتبار سے یہ آیت بھی پیش گوئی پر مبنی ہے۔

آخر وہ دن آیا جب آپ ﷺ اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار کو رحمت پر یہ نوید سنا رہے تھے کہ **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔** (المائدہ، آیت نمبر 3) "آج وہ دن ہے کہ تمہارا دین تم پر مکمل کر دیا گیا۔ آج میں نے تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور میری خوشنودی اسی میں ہے کہ اسلام ہی تمہارا دین ہو"۔

حکیم الامت علامہ اقبال نے اس سلسلہ میں "رموز بے خودی" میں خوب فرمایا ہے:

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفل ایام را
او رسل را ختم، ما اقوام را
خدمت ساقی گری با ما گزاشت
داد ما را آخری جامے کہ داشت
لا نبی بعدی ز احسان خدا است
پردہ ناموس دین مصطفےٰ است

حق تعالیٰ نقش ہر دعویٰ شکست
تا ابد اسلام را شیرازہ بست

''پس اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں پر اپنی شریعت ختم کر دی اور اسی طرح ہمارے رسول کریم و رحیم پر رسالت اور نبوت کا خاتمہ کر دیا۔ ہماری وجہ سے دنیا و جہاں میں رونق اور تابندگی ہے۔ ہمارے رسول محتشم نے رسولوں کا خاتمہ کر دیا اور ہم مسلمانوں نے نئی ملتوں اور قوموں کا خاتمہ کر دیا۔ جس طرح رسول امین کے بعد کوئی شریعت اور دین نہیں، اسی طرح ہمارے بعد کوئی نئی قوم نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ساقی گری کی خدمت ہمارے حوالے کر دی اور اپنا آخری جام ہمیں دے دیا۔ ''لا نبی بعدی'' کا حکم ہمارے لئے اللہ کے احسان کی حیثیت رکھتا ہے اور دین مصطفےٰ کے ناموس کے لئے ایک پردہ کی طرح ہے۔ حق تعالیٰ نے ہر قسم کے دعووں کے نقوش ختم کر کے رکھ دیئے اور اسلام کو ابدالآباد تک کے لئے شیرازہ بند کر دیا۔ گویا ہمارے نبی آخری نبی اور ہم آخری ملت ہیں۔ ہماری کتاب قرآن آخری کتاب وحی ہے اس کے بعد کوئی وحی نہیں آئے گی۔''

☆☆☆

تمنائے زیست تھی سدا تیرے سنگ چلتے

حافظ شیخ محمد قاسم

شاہ جی نے حکم دیا قاسم! کافی دن گزر چکے ہیں اور تم نے لائبریری کی صفائی نہیں کروائی۔ شاہ جی چونکہ ننگے پاؤں ہی میری طرف تشریف لا رہے تھے۔ میں دیکھ کر گھبرا سا گیا اور خوف کے مارے میرا چہرہ زرد پڑ گیا۔ یہ بات بالکل کھری اور سچی ہے کہ شاہ جی غصے میں ہوں تو وقت کے چہرے پر بھی زردی چھا جاتی ہے، میں تو شاہ جی کی دہلیز پر پلنے والا ایک کرم ناتواں ہی تو ہوں۔ میں نے چھلانگ لگائی اور اپنے چپل شاہ جی کے سامنے رکھ دیئے۔ شاہ جی مسکرا دیئے اور آپ کی مسکراہٹ سے میری زندگی کے افق پر خورشید طلوع ہونے لگ گیا۔ جان میں جان آئی اور غور سے دیکھا تو شاہ جی برہنہ پا ہی نہیں تشریف لائے بلکہ سر پر ٹوپی بھی نہیں تھی، بالوں سے پانی ٹپکتے دیکھا تو اندازہ ہوا آپ غسل کر کے حکم نوازی کے لئے سیدھے خانہ خادم کی طرف بڑھے ہیں۔ شاہ جی کو اس عالم میں دیکھ کر ایک رومانوی شاعر کا رنگ تغزل یاد آیا۔

اس نے بھیگے ہوئے بالوں سے جو جھٹکا پانی
جھوم کر آئی گھٹا، ٹوٹ کے برسا پانی

قریب تھا کہ میں سوچوں کے بند کمرے میں مقفل ہو جاتا اور بہت کچھ سوچتا اور بہت کچھ لکھتا، شاہ جی نے لائبریری کی چابی مجھے تھما دی اور خود مسجد کی طرف تشریف لے گئے۔ میں نے لائبریری کھولی اور ہر سو بکھری ہوئی کتابوں کا جلوہ دیکھا اور مرزا غالب کے بقول میری حالت بھی یہ ہو گئی کہ میں چمن کیا گیا گویا دبستان کھل گیا۔ اب میں چاہوں کا قارئین کو شاہ جی کی ان تحریروں کا رخ زیبا دکھلاؤں جو غیر مطبوعہ بھی ہیں اور دور دور تک ان کے طبع ہونے کا کوئی پروگرام بھی نظر نہیں آتا اور ان کے مطالعہ کے دوران آپ محسوس فرمائیں گے کہ ان میں کمال کی برجستگی ہے، بے ساختہ پن اپنے عروج پر ہے۔ شاہ جی تصنیعی بوجھ کے تلے دبے ہوئے محسوس نہیں ہوتے۔ عربی، فارسی اور اردو کتابوں پر قیامت بپا کر دینے والے حاشیے شاہ جی نے قلم بند کئے ہیں۔ بے تکلف انشاء پردازی کے دوران شائستگی، خوش فکری اور شیریں کلامی سے آپ کا اسلوب تحریر مالا مال ہے۔ آپ جب کسی کتاب کا مطالعہ فرماتے ہیں حاشیہ پر تبصرے قلم بند کر دیتے ہیں۔ نقد و جرح سے کام لیتے ہیں، تعریفی جملے آراستہ کرتے ہیں، غلط جملوں میں تصحیح فرماتے ہیں، جمالیاتی مفہومات پر خط کھینچ دیتے ہیں۔ علمی ابحاث میں تشنگی دور کرنے کے لئے خود بھی قلمی مشارکت فرما لیتے ہیں۔ شاہ جی کی لائبریری بلاشبہ بعد میں آنے والوں کے لئے ایک سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مزیدار بات یہ ہے کہ شاعری کی کتابوں پر شاہ جی نے عروض کی ابحاث قلم بند کی ہیں۔ استاد شعراء کے کلام پر آپ نے تنقید کی ہوتی ہے مثلاً لکھا ہے یہ شعر عروض کے میزان پر بے وزن ہے، تک بندی ہے۔ لائبریری میں بیٹھ کر اندازہ ہوتا ہے شاہ جی شاعری کرتے تو اساتذہ میں آپ کا نام آتا لیکن پیر صاحب نے کہہ کیا دیا ہے کہ شعر نہیں کہنا پھر شعر کہنے سے گویا روٹھ گئے، اب تو تقریر کرتے ہوئے بھی عام سے شعروں کو بھی تقدم تاخر سے پڑھتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا معلوم نہیں رسول اللہ ﷺ شعروں کو تقدم تاخر سے پڑھتے تھے لیکن ایسا کرنا سنت نہیں صرف محبت اور احتمال امر ہے۔

اس وقت آپ کے سامنے شاہ جی کی ڈائری سے ایک ورق پیش کیا جاتا ہے۔ ڈائری 1984ء کی ہے لیکن یادداشتیں 1972ء سے 1986ء تک پھیلی ہوئی ہیں آپ نے اپنے ایک سفر کی روئیداد قلم بند کی ہے آپ لکھتے ہیں:

زندہ دلان وطن 14 اگست منانے راولپنڈی سے مری کی طرف رواں دواں تھے۔ علامہ مشتاق احمد چشتی میرے گھر تشریف لائے کہ ایک دینی کام ہے اور سعادت بھی، اگر آپ قربانی دے سکیں تو اپنی گاڑی عنایت فرما دیں۔ مری میں جامعہ مسجد غوثیہ کے اندر دورہ تفسیر کی اختتامی نشست سے علامہ سید احمد سعید کاظمی نے خطاب فرمانا ہے اور انہیں راولپنڈی سے مری تک لے جانے کی عزت ہمارے حصہ میں آسکتی ہے۔ میں بڑی آسانی اور شوق سے اس کام کے لئے تیار ہو گیا RIA7312 میری گاڑی کا نمبر تھا۔ علامہ کاظمی ان دنوں "زکوٰۃ کونسل" کے رکن تھے۔ میں اسلام آباد پہنچا، تھوڑی دیر گزر جانے کے بعد مشتاق احمد چشتی بھی پہنچ گئے۔ علامہ کاظمی وزارت مذہبی امور کے سیکریٹریٹ سے باہم تشریف لائے۔ ہم سلام عرض کرنے کے بعد دست بوس ہوئے اور حضرت گاڑی میں تشریف فرما ہو گئے۔ کچھ دیر ہم سب خاموش رہے، مشتاق احمد چشتی نے میرا تعارف کرایا۔ میں نے علامہ کاظمی کی پہلی مرتبہ زیارت کی تھی۔ آپ کی شخصی وجاہت اور علمی عظمت کا احساس خوشبو بن کر میرے مشام میں اترنے لگا۔ میں گاڑی بھی چلاتا اور بار بار حضرت کے چہرہ درخشندہ کی زیارت بھی کرتا۔ آپ نے اپنے ایک ساتھی سے نعت پڑھنے کے لئے اشارہ کیا۔ گاڑی کے اندر اعلیٰ حضرت کی نعت

"وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں"

ایک دل آویز اور سماں پرور ماحول کا باعث بن گئی، دامن دل میں گلہائے محبت مہکنے لگ گئے، ایسا لگا کہ محرومیاں اشکوں کی صورت اختیار کر گئی ہیں۔ کاظمی صاحب علیہ الرحمۃ کو ایک خاص کیفیت میں ڈوبے ہوئے دیکھا آپ کے وجیہہ چہرے پر آنسوؤں کی بارش نے زیا

رت سے فیض یاب ہونے والی آنکھوں کو بھی حمام کرا دیا۔ دل اور دماغ سرور میں ڈوب گئے۔ علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ کی اشک بار آنکھیں دیکھ کر علامہ اقبال یاد آ گئے:

سرمایہ دردِ تو غارت نتواں کردن
اشکے کہ ز دل خیزد در دیدہ شکستم من

طبیعت اس احساس سے مچل رہی تھی کہ سید احمد سعید کاظمی آج ہمارے درمیان موجود ہیں۔ حضرت کی ذات بلا مبالغہ ضو بار منارہ کی تھی۔ آپ علم و عرفان کا قلزم تھے۔ آپ کا چہرہ ماضی کی تاریخ کا باجمال آئینہ تھا۔ مسند زبان کے آپ قاضی القضاۃ تھے۔ مشتاق احمد چشتی نے خفیف سا اشارہ کیا سمندر میں اتر کر دامن خشک رکھنا مناسب نہیں، حضرت سے استفادہ کی کوئی سبیل پیدا کریں۔ میں نے عرض کی عمر کے اعتبار سے چشتی صاحب میری جوانی کی کرنیں اب پھوٹ رہی ہیں اور آپ عمر کی دو پہر سے گزر رہے ہیں۔ ہماری قسمت کہ آج مری کے افق سے کاظمی صاحب کی صورت میں سورج طلوع ہو رہا ہے۔ آپ کوئی استادی دکھائیں تاکہ مہر جہاں تاب کی روشن شعاعیں ہمارے دلوں کو منور کریں۔ کاظمی صاحب ہماری خوشیوں کی تہہ میں اتر گئے اور مری کے کوہستانی سلسلہ، لہراتے درخت، بل کھاتی سڑک، نسیم برودت آب نے آپ کے مزاج کو فردوس نظر کر دیا آپ خود ہی مجھ سے پوچھنے لگے: مری کو مری کیوں کہتے ہیں؟ میں نے عرض کی حقیقت کا علم تو آپ کے پاس ہے ہم تو سمجھتے ہیں کہ آج وادی غربت میں آپ کا ورود ذروں کو چمکانے کے لئے ہوا ہے۔ ہمارا خیال تو بس شاید ہی یہاں سے آگے گزرے کہ مری اور موت دونوں ایک ہی مادے سے ہیں۔ سردیوں میں یخ بستہ ہوائیں مار دیتی ہیں اور گرمیوں میں مہنگائی حیات سوز بن جاتی ہے۔ کاظمی صاحب ہلکی آواز میں ہنسے اور حسب عادت فرمایا اللہ اللہ! تو سید صاحب فرمائیے مری والے بھی مری کا یہ معنیٰ بیان کرتے ہیں؟ ہائے وہ نرم گفتاری، تواضع شعاری اور لہجے کی مٹھاس، لطافت، نفاست سب کچھ کاظمی صاحب پر ختم تھا۔ گاڑی کا پانی بدلنے کا بہانہ بن گیا اور میں نے گاڑی ایک طرف کھڑی کر دی اور آپ جناب گاڑی سے باہر تشریف لائے اور بریتی نظاروں میں جیسے کھب گئے، لبوں سے سبحان اللہ سبحان اللہ ذکر الٰہیہ نے جیسے وادی کو نورانی جلووں سے بھر دیا ہو۔

گزشتہ ساٹھ سال تک اہل محبت کی نگاہوں میں رہنے والے احمد سعید کاظمی دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گئے تو میں نے لطیف کاشمیری کا حوالہ دیا کہ ان کے بقول ترک فاتحین جب ہزارہ اور مری کی پہاڑیوں میں آباد ہوئے تو ان کی زبان میں چراگاہ کو ماری کہتے ہیں۔ ان کی نسلوں میں ماری لفظ آہستہ آہستہ مری ہو گیا۔

علامہ احمد سعید کاظمی کھل گئے اور فرمایا:

> اس شہر دل افروز کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے یہاں پنڈی پوائنٹ سے قریب اونچی جگہ ایک مریاں مائی رہتی تھی اور پہاڑی زبان میں اونچی جگہ کو مہڑی کہتے ہیں۔ بعض مستشرقین کی تحقیق میں مری ''میری'' سے ہے۔ مغربی لوگوں کا خیال ہے کہ مریم مسیح کی تلاش میں کشمیر جا رہی تھیں کہ یہاں انتقال ہو گیا اس طرح مری مریم کے نام سے ہی موسوم ہو گئی۔

علامہ مشتاق احمد چشتی دخیل ملفوظات ہوئے اور عرض کی حضرت آپ کی تحقیق کیا ہے؟

علامہ کاظمی فرمانے لگے:

> بھائی میرے! عرب و عجم کی خاک چھانی ہے اور پھر تحقیق و جستجو کا چسکا بھی ہے۔ ارض فلسطین اور عراق و شام کی تاریخ بھی پڑھی ہے۔ بحمد ہ تعالیٰ تفسیر و حدیث پڑھانے کی برسوں سے توفیق ہے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ عیسائی اور یہودی حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ جھوٹی، کچی روایات کے بھی یہ عاشق ہوتے ہیں، جہاں ڈیرہ ڈالا کسی تقدس کی اختراع کی، یہاں بھی مری کے آئینے میں ''میری'' کی تصویر دیکھنا ممکن ہے۔ قیام مری کے زمانے میں ان کی شرارتی جبلت حرکت میں آئی ہو اور پھر انسانی نفسیات بھی ہے کہ وہ ملتے جلتے لفظوں سے روحانی تسکین کے سامان تلاش کرتا ہے۔ ممکن ہے میری اور مری میں لفظی ہم آہنگی اس تحقیق کی بنیاد بن گئی ہو لیکن قرآن حکیم کے بعض سریع اور دلکشا حوالے ان باتوں کی تردید کرتے ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ ''قادیانی'' اپنے من زاد خیالات کے فروغ کے لئے تاریخی رد و بدل کے ماہرین ہیں ان کے لئے مسیح موعود کی تاریخ کشمیر براستہ مری پہنچی ہو اور انہوں

نے "مریاں مائی دی مہڑی" پہلے بنائی ہویا "مری" کی تاریخ پڑھ کر "مریاں مائی دی مہڑی" بنالی ہو۔
علامہ کاظمی خوبصورت افکار کے رنگ بکھیر رہے تھے کہ مری کے پر کشش بازار، قابل دید چوٹیاں اور نظر افروز مناظر ہماری منزل کی نشاندہی کرنے لگے۔

دینی مدرسوں کے طلباء جھنڈے اٹھائے ہوئے سڑک کے دونوں طرف نظر آنے لگ گئے۔ میں نے عرض کی کہ حضور مری کی بعض چوٹیاں دمشق کی پہاڑیوں سے ملتی جلتی ہیں۔ آپ نے فرمایا صرف تھوڑا سا فرق ہے وہاں پلکوں کے بل جھک جھک کر چلنے کو جی چاہتا ہے اور یہاں ہاتھوں اور پاؤں کو چھوڑ کر ہواؤں، فضاؤں کے سمندر میں تیرنے کا دل کرتا ہے۔

اب جمالیاتی افکار کے لبادے کی مہلت ختم ہوگئی اس لئے کہ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں کے فرزند اکبر مفتی مختار احمد نعیمی آگے بڑھے اور گاڑی کا دروازہ کھول کر کاظمی صاحب کا استقبال کیا۔ کوہسار کے علماء، مشائخ اور عوام اہل سنت نے فضا شگاف نعروں سے اپنے قائد کا استقبال کیا۔ بچوں نے لہک لہک کر قصیدہ بردہ شریف پڑھا۔ ان کی معصوم معصوم آنکھوں میں جیسے روضہ رسول ﷺ کی ہریالی آ گئی ہو۔ درویشوں، فقیروں، ولیوں اور باایمان شہریوں کا یہ جلوس مسجد میں پہنچا تو لگا جیسے مری کا ذرہ ذرہ آج کاظمی صاحب کی تقریر سننے کے لئے بے تاب ہے۔ اس جلسے کے رنگ بھی اپنے ہی تھے۔ نقابت مشتاق احمد چشتی نے کی۔ سپاس نامہ مفتی مختار احمد نعیمی نے پڑھا۔ پانچ منٹ کی تقریر میرے حصے میں بھی آئی۔ لفظوں کے اتار چڑھاؤ اور ترکیبوں کے زیر و بم کو دیکھ کر علامہ کاظمی نے اپنے خطاب میں جہاں اور علماء و مشائخ کا ذکر کیا، مجھ ایسے چھوٹے آدمی کو بھی "علامہ" اور "مدظلہ العالی" کے لقب اور دعا سے نوازا۔ نام تو یادوں کی گرفت میں نہیں رہے البتہ اتنا ضرور یاد ہے کہ کاظمی صاحب نے ایک سو دس علماء کو سند تفسیر عطا فرمائی۔ واپسی پر میں نے خوش طبعی کرتے ہوئے عرض کی "ایک سو گیارھویں" سند اپنے ڈرائیور کو عطا فرما دیتے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

"بھیا! ملتان آ ناوہ بھی دے دوں گا۔۔۔"

کاظمی صاحب کے حوالے سے شاہ جی کی یادداشتیں پھر کبھی قلم بند کی جائیں گی سر دست شاہ جی کی لائبریری میں ایک کرم خوردہ کتاب کے حاشیہ پر ثبت شدہ ایک تحریر ملاحظہ ہو۔ شاہ جی کے افکار، احساسات اور مذہبی زندگی کے اوائل میں ارتقاء کی کہانی پڑھی جاسکتی ہے۔ اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ جی نے پڑھا سب کو ہے لیکن آپ کی زندگی میں جو لوگ چھا گئے اور شاہ جی کو کلیۃً اپنا بنالیا وہ صوفیائے کرام ہیں مختلف سلسلوں کے پیشوا ہیں۔

چاہوں گا کہ بحث کی بجائے شاہ جی کی تحریر آپ کو پڑھوا دوں، آپ لکھتے ہیں:

ہمارے محلے کے ایک مولوی صاحب نے تقریر کی۔ یہ زمانہ ہمارے بچپن کا تھا۔ ذہن ابھی اس قابل نہ تھا کہ طبیعاتی باتیں اور من ساز روحانی باتیں ہضم کر سکتا۔ بات اچھی تھی اس میں منطق موجود تھی اور انداز بھی قدرے روحانی پایا تھا، یہ الگ بات ہے کہ بچے کی روحانیت صرف منہ میٹھا کرنے کے لئے حلوہ مزاج چند لقمے ہی تو ہوتے ہیں۔ بات یہ تھی کہ اللہ سے مانگنے کے لئے کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں۔ اس سے بلاواسطہ ہی ہاٹ لائن پر رابطہ ممکن ہے۔ عمر کے لحاظ سے طبیعت سنبھلی تو مزاج بے نیاز سا ہو گیا۔ عزت والے نہ تو عزت والے نظر آتے اور نہ ہی قدر والے ذہن و دل میں اپنا کوئی اثر چھوڑتے۔ بعد ازاں پرویز کو پڑھا تو اقبال کے شعر بھی بچپن والے مولوی صاحب کے ترجمان نظر آئے۔ یہ الگ بات ہے قرآن کی آیتوں کی طرح اقبال کے شعروں کو بھی لوگوں نے اپنے نفس کی ترجمانی کے لئے خوب استعمال فرمایا اس دور میں اقبال کے یہ شعر بڑا متاثر کرتے:

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیران کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو

اور یہ شعر کہ اقبال فرماتے ہیں:

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

اقبال نے یہ بات بھی واہ واہ کی:

تو میری نظر میں کافر میں تیری نظر میں کافر
تیرا دین نفس شماری، میرا دین نفس گزاری

گوہر مقصود تلاش کرتے ہوئے حنیف رامے سے ملاقات ہوگئی۔ آپ نے روحانیت پر بہت کچھ لکھا۔ مولانا روم کے کسی شعر کے جلووں میں ڈوبے اللہ کی زبان بن گئے۔ سمجھ نہیں بھی یہی آئی ہمیں کسی رہبر کی ضرورت نہیں، فرماتے ہیں:

عبادت میں پاکیزگی یا ناپاکی، سستی یا محنت سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔ میں ان چیزوں سے بالا ہوں۔ عبادت کے طریقوں کو اچھے یا برے کے پیمانے سے نہیں ماپا جا سکتا۔ ہندو ہندوانہ طریقے سے عبادت کرتے ہیں۔ ہندوستان کے تو مسلم بھی اکثر وہی کچھ کرتے ہیں جو کچھ وہ کرتے ہیں، وہ بھی عبادت ہی ہے اور درست ہے۔

جو بھی وہ کہتے ہیں جن لفظوں اور طریقوں سے کہتے ہیں وہ میں نہیں سنتا۔ میں تو ان کے اندر کی عاجزی اور انکساری کو دیکھتا ہوں۔

رامے صاحب نے بڑی برجستگی سے اقبال کا شعر اپنی سوچوں پر منطبق کرلیا:

ہے یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو

خدا سے دو دو باتیں کرنے کے شوق میں ایک جدید شاعر غالب احمد بھی یہیں پہنچے۔

کبھی آ کر بتا ہی دے
کہ ہم ہیں کون کب سے؟ اور کہاں ہیں ہم
اب ہم کون سے تارے سے اتریں اور کہاں جائیں
کہ اب ہم کون سے تارے سے اتریں اور اماں پائیں
زمین پر زندگی کی فصل کاٹی جا چکی ہے
اب کہاں پر بیج بونے کا ارادہ ہے؟
امید و آرزو کی کشتیاں لے کر کہاں جائیں؟

ہمارے ایک معروف ادیب گزرے ہیں کبھی کبھار ہمارے ساتھ جمعہ پڑھ لیتے۔ میری مراد ممتاز مفتی ہیں۔ ان کی ملاقات کسی پروفیسر سے ہوگئی اپنی کتاب ''تلاش'' میں ان کا ماورائی حلیہ بیان کیا، بولتے، کہتے اور لکھتے:

مسعود قہقہہ مار کر ہنسا بولا مفتی تو بڑا کنفیوزڈ آدمی ہے تو سمجھتا ہے کہ اللہ برانچ لائن ہے۔ نہیں بھائی اللہ تو بہت بڑا جنکشن ہے، کئی ایک راستے وہاں پہنچتے ہیں اور وہاں تک کئی ایک لائنیں آتی ہیں۔

پروفیسر اعجاز قریشی کے ذریعے غلام جیلانی برق سے ملاقات ہوئی۔ علماء اور مشائخ پر پھبتیاں ہی سنائی دیں۔ دو قرآن اور دو اسلام ایسی دستخطی کتابیں میرے حوالے کیں، وہ بھی تصوف کا نام لے لیتے لیکن بلاواسطہ خدا کی معرفت حاصل کرنا اپنا حق جانتے تھے۔

لاہور اچھرہ میں جن دنوں سید مودودی عصر کی نماز کے بعد عام ملاقات کرتے، ان سے ملاقات ہوئی۔ میری ملاقات والے دن راولپنڈی کے مولوی فتح محمد بھی موجود تھے۔ مودودی صاحب اللہ کو عیبوں سے پاک جانتے تھے، لیکن انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کے بارے میں ان کے خیالات منفرد تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی شان کے بارے میں ترجمان القرآن کی ایک عبارت کی طرف توجہ دلائی تھی لیکن وہ بھی بے وسیلہ ہی ہاٹ لائن پر اللہ سے ملنے کا شوق پالنے والے ادیبوں میں شامل تھے۔

زندگی جب اہل اللہ کے دروازے پر پہنچی، پتہ چلا جو دیکھا، سنا، پڑھا سب ڈرامہ ہے اور یہ سب ''کنفیوزڈ'' لوگ ہیں، بے مرشد ہیں۔ انہیں کسی صاحب نگاہ سے ربط نہیں ملا۔ سچائیاں، نقشبندیوں، قادریوں، سہروردیوں اور چشتیوں کے پاس ہی ہیں۔ قرآن اور حدیث کا معانی کا چمن بھی صاحب نگاہ لوگوں ہی کے وسیلہ سے ملا۔ اب تو عقیدہ یہی ہے کہ سب کچھ حق آگاہ لوگوں کے قدموں میں ہے۔

☆☆☆

کیا یہ ایک نظریاتی ملک ہے؟

ڈاکٹر رضا فاروقی

پاکستان کا ۶۲ واں یوم آزادی روایتی انداز میں منایا گیا، قومی پرچم لہرائے گئے، عمارات کو قمقموں سے سجایا گیا، جھنڈیاں لگائی گئیں، روایتی انداز میں جلسے، جلوس اور خطابات سننے اور دیکھنے کو ملے۔ دراصل یہ اس تاریخی دن کی یاد تھی جب دنیا کے نقشے پر ایک نیا مسلمان ملک معرض وجود میں آیا تھا۔ یہ ملک اسلام کے نعرے اور نظریات کی آبیاری کا دعویٰ لے کر پیدا ہوا تھا۔ دنیا کا یہ پہلا ملک ہے جو اسلام کے نام پر قائم ہوا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزوں اور ہندوؤں نے جب اسلامی تہذیب وتمدن کو پامال کرنے کی کوشش کی تو قائدین ملت اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن حاصل کرنا ضروری ہے، جہاں وہ اپنی تہذیب وثقافت کے مطابق آزاد زندگی گزار سکیں۔ اس مقصد عظیم کے لیے مسلمانان ہند سرگرم عمل ہوئے۔ مسلم راہنماؤں نے اپنے قلم، تقریر اور شمشیر سے جہاد جاری رکھا۔ اللہ کی ذات پر پختہ ایمان، قومی اتحاد و یکجہتی رنگ لائی اور دنیا کے نقشے پر پاکستان کا نام کندہ ہو گیا۔ علامہ اقبال کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا اور قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں قوم سرخرو ہوئی۔ آزادی کی اس عظیم الشان تحریک میں کن زعماء اور افراد نے حصہ لیا اور امت کے وہ کون کون سے گروہ تھے جو قیام پاکستان کی مخالفت کرتے رہے، تاریخ اس پر شاہد ہے لیکن قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے مخالفین تاریخ میں تبدیلی کرنے کی جسارت کرتے رہے ہیں اور بہت سارے ایسے لوگ تحریک پاکستان کے حامی بن کر سامنے آنے لگے جنہوں نے کانگرس کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔

آج پاکستان کے قیام کو ۶۲ سال گزر چکے ہیں۔ پاکستان داخلی اور خارجی طور پر بے شمار مسائل کا شکار ہے۔ ایسے حالات میں کچھ "دانشور" اور سیاستدان پاکستان کی اساس کے خلاف پراپیگنڈہ میں مشغول ہیں۔ پہلے وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں بات کرتے تھے اب علی الاعلان "گوہر افشانی" کر رہے ہیں۔ یہ انکشاف کیا جا رہا ہے کہ:

"قائدین پاکستان نے ایک سیکولر ملک بنایا تھا۔ ملاؤں نے بننے نہیں دیا"۔

ایک صاحب نے فرمایا:

"پاکستان کے قیام کی بہت بڑی وجہ ہندو کا معاشی استحصال تھا"۔

ایک ترقی پسند ایک مذاکرہ میں زور وشور سے کہہ رہے تھے:

"نظریہ پاکستان ملک کا سب سے بڑا سامراج ہے"۔

اخبارات کے کالموں میں یہ بھی انکشاف ملتا ہے کہ

"پاکستان مغربی سامراج کی تخلیق تھا"۔

ایک سنیئر صحافی اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قائداعظم پاکستان کو ایک جمہوری اور سیکولر ریاست بنانا چاہتے تھے"۔ انہوں نے مزید فرمایا ہے کہ

"وہ قومی نظریہ کی اہمیت قیام پاکستان تک تو تھی لیکن جب پاکستان بن گیا تو اس کی ضرورت نہیں رہی"۔

اس سے قبل بہت سے افراد جو قیام پاکستان کے خلاف تھے، کہہ چکے ہیں کہ پاکستان کا معرض وجود میں آنا ایک غلط فیصلہ تھا اور یہاں تک بھی سننے کو ملا کہ ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شامل نہیں ہیں"۔

اب سوال یہ ہے کہ

☆ کیا پاکستان کو ایک سیکولر ریاست بنانے کے لیے حاصل کیا گیا؟

☆ کیا اس کا حصول محض ایک معاشی اجارہ داری کو ختم کرنے کے لیے کیا گیا؟

☆ کیا نظریہ پاکستان کی کوئی اہمیت ہے؟

☆ بانیان پاکستان کا تصور پاکستان کیا تھا؟

ان سوالات کے جوابات کے لیے ہمیں تاریخ کی ورق گردانی کرنی پڑے گی اور ہم مختصراً اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

ہندوؤں کا نظریہ تھا کہ براعظم میں صرف ایک قوم بستی ہے اور وہ ہندو ہے۔ ہندو یہ نظریہ وطن کی بنیاد پر پیش کرتے ہیں۔ ان کا نعرہ تھا کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کا ملک ہے۔ ہندو دوسری اقوام کا تشخص مٹانے کے درپے تھے، جب کہ اسلام "قومیں ادیان سے بنتی ہیں" کے نظریہ کو غلط قرار دیتا ہے اور اسلام قوم کی بنیاد وطن کے بجائے نظریہ اسلام پر رکھتا ہے۔ نظریہ وطنیت کی عمر تھوڑی ہے اور یہ رشتہ اتنا کمزور ہے کہ اسلام نے اسے ہمیشہ کے لیے رد کر دیا۔ بانیان پاکستان میں علامہ محمد اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کے افکار کی روشنی میں آپ نظریہ

پاکستان کو بڑے واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں۔

۲۹۔دسمبر ۱۹۳۰ء کو الہ آباد میں علامہ اقبال کی صدارت میں مسلم لیگ کا جو جلسہ ہوا اس کے خطبہ میں اقبال نے پہلے تو وہی کہا جو مسلم لیگ کا سرکاری موقف تھا۔ ان کے یہ الفاظ تھے:

''مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ ہندوستان کے وفاق کے اندر ان کو حکومت خود اختیاری دے دی جائے، بالکل جائز ہے''۔

لیکن اقبال کا امتیاز یہ تھا کہ انہوں نے صرف لیگ کے نقطۂ نظر کو بیان کرنے پر ہی بس نہیں کیا بلکہ اپنی ذاتی رائے کو بھی بڑے مدلل انداز میں ہندوستان کے آئینی مسئلہ کے واحد حل کے طور پر پیش کیا۔ اس لیے انہیں تصور پاکستان کا خالق کہا جاتا ہے۔

اقبال کے اپنے الفاظ یہ تھے:

''میری ذاتی رائے یہ ہے کہ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان پر مشتمل ایک واحد آزاد مسلم ریاست تشکیل کی جائے خواہ سلطنت برطانیہ سے اس کا تعلق ہو یا نہ ہو۔ ایسی شمال مغربی ریاست کی تخلیق ہندوستانی مسلمانوں یا کم از کم شمال مغربی ہند کے مسلمانوں کے لیے مقدر ہو چکی ہے''۔

۱۹۳۰ء میں ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک مکمل آزاد مسلم ریاست کے قیام کی تجویز اقبال کی ذاتی تجویز تھی۔ اس کو مسلم لیگ کی سرکاری سرپرستی حاصل نہیں تھی لیکن ۱۵ دسمبر ۱۹۳۱ء کو مسلم لیگ، لندن کے جلسے میں اقبال نے ایک بار پھر مدلل انداز میں علیحدہ ریاست کے قیام کو بہترین امکانی عمل بتایا۔ گول میز کانفرنس میں ہندوؤں کے متعصبانہ رویے سے مایوس ہو کر دسمبر ۱۹۳۲ء تک اقبال اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ ''اب الگ مطالبہ ملک کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا''۔

نظریہ پاکستان کی بنیاد دو قومی نظریہ ہے اور قائداعظم نے اس موضوع پر بارہا اظہار فرمایا۔ ''پاکستان اسی دن وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے، وطن نہیں اور نہ ہی نسل۔ ہندوستان کا جب پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا، وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد ہو گیا، ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی''۔ (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبا سے خطاب۔ ۸ مارچ ۱۹۴۴ء)

اسی تقریر میں آگے چل کر آپ نے فرمایا:

''آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبے کا محرک جذبہ کیا تھا؟ مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا''۔

اس تقریر سے اس گمراہ کن خیال کی بھی تردید ہوتی ہے کہ پاکستان کے مطالبے کو ہندوؤں کی تنگ دلی نے جنم دیا یا یہ محض معاشی خوشحالی حاصل کرنے کا ذریعہ تھا یا صرف سیاسی اقتدار کے حصول کا وسیلہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاسی اقتدار کا حصول بھی ضروری تھا۔ معاشی اور اقتصادی خوشحالی بھی مدنظر تھی لیکن اس سے بھی اہم تر مسئلہ اور اصل مسئلہ مسلمانوں کے قومی وجود، مسلمانوں کے بحیثیت مسلمان زندہ رہنے اور ترقی کرنے کا مسئلہ تھا جو بغیر پاکستان کے حصول کے ممکن نہیں تھا۔

نظریہ پاکستان اور دو قومی نظریے کی وضاحت قائداعظم نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد پاکستان پر تقریر کرتے ہوئے ان الفاظ میں کی:

"مسلمان ایک اقلیت نہیں ہیں، مسلمان ایک قوم ہیں، قومیت کی تعریف جس طرح کی جائے مسلمان اس تعریف کی رو سے ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ ان کی اپنی الگ مملکت اور اپنی جداگانہ خودمختار ریاست ہو۔ ہم مسلمان چاہتے ہیں کہ برصغیر کے اندر ہم ایک آزاد قوم بن کر اپنے ہمسایوں کے ساتھ ہم آہنگی اور امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ ہماری تمنا ہے کہ ہماری قوم اپنی روحانی، اخلاقی، تمدنی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کی کامل ترین نشوونما اور اس مقصد کے لیے وہ طریق عمل اختیار کر سکے جو اس کے نزدیک بہترین ہو اور ہمارے نظریات اور نصب العین سے ہم آہنگ ہو۔"

تصور پاکستان علامہ محمد اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کے نظریات اور خیالات کی روشنی میں دیکھا جائے تو پاکستان ایک نظریہ کی بنیاد

پر قائم ہوا اور وہ نظریہ ہے اسلام، جو لوگ ملک کو سیکولر دیکھنا چاہتے ہیں اور نظریہ پاکستان کی نفی کر رہے ہیں، دراصل وہ ایک سازش کا شکار ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ وقت کی مقتدر قوتیں بھی ان کے ہاتھوں میں کھلونا بنتی رہی ہیں اور ان کی وجہ سے نصاب تعلیم میں تاریخ کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا گیا ہے۔

وطن عزیز پاکستان انتہائی نازک دور سے گزر رہا ہے۔ اگر تحریک پاکستان اور حامیان پاکستان نے اپنا کردار نہ ادا کیا تو حالات دگرگوں ہوتے چلے جائیں گے اور غیر مسلم قوتیں جو خواب دیکھ رہی ہیں۔ ان کی تعبیر حاصل کرنے میں شاید ان کو آسانی ہوگی۔ ان حالات میں لامحالہ ہماری نظریں ملت کے ان پاسبانوں کی طرف اٹھتی ہیں، جنہوں نے ہمیشہ نبی کریم ﷺ کے پرچم کو سربلند رکھا۔ خواہ وہ تحریک پاکستان ہو تحریک ختم نبوت ہو یا تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ محبت رسول ﷺ میں سرشار سرفروشان وطن جن کی قیادت خانقاہوں میں بیٹھنے والے بوریہ نشین کرتے رہے ہیں۔ آج بھی ان نفوس عالی ظرف کو ملک اور افراد ملت پکار رہے ہیں کہ

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

یاد رہے کہ حالات کی نزاکت کا یہی تقاضا ہے، اگر آج آپ نے اپنا کردار ادا نہ کیا تو خدانخواستہ باطل قوتیں اپنے خواب کی تعبیر حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ حالات اور وقت کے دھارے کو دیکھیں، احساس کی زنجیر کو ہلائیں، ورنہ آپ کو علم ہی ہے کہ

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
مگر کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

☆☆☆

مہر جہاں تاب کی روشن کرنیں

عن عمرو بن العاص قال اتیت النبی ﷺ فقلت ابسط یمینک فلابایعک فبسط یمینه فقبضت یدی فقال مالک یا عمرو قلت اردت ان اشترط قال تشترط ماذا قلت ان یغفرلی قال اما علمت یا عمرو ان الاسلام یهدم ما کان قبله و ان الهجرة تهدم ما کان قبلها و ان الحج یهدم ما کان قبله۔ (رواہ مسلم)

سید الیاس حسین شاہ

حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ اپنا مبارک ہاتھ پھیلائیں تاکہ میں آپ کی بیعت کروں تو آپ ﷺ نے اپنا دست اقدس آگے بڑھا دیا لیکن میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ ﷺ فرمانے لگے عمرو تمہیں کیا ہوا میں نے عرض کی کہ میں کچھ شرائط باندھنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہو کیا شرط کرنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے پہلے گناہ بخش دیے جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں کہ اسلام پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت ان تمام چیزوں کو دور کر دیتی ہے جو اس سے پہلے کی ہوں اور حج ان تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو حج سے پہلے کے ہوں۔

حدیث کے راوی:

حضرت عمرو بن العاص مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ آپ کو ایک ذہین اور فطین جرنیل سمجھا جاتا ہے۔ قبول اسلام کا واقعہ خود بیان کیا ہے۔ ہم لوگ احزاب سے واپس لوٹے تو میں نے مکہ میں قریش کے چند لوگوں کو اکٹھا کیا۔ یہ لوگ میری رائے کو اہمیت دیتے تھے۔ میں نے ان سے کہا تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ محمد ﷺ کا دین غلبہ پا رہا ہے، ان کی جمعیت مضبوط ہو رہی ہے، عرب اب ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اگر تم ان کے دین کو ختم کرنا چاہتے ہو تو مؤثر قدم اٹھانا ہوگا وگرنہ یہ دین دیکھتے دیکھتے دنیا میں چھا جائے گا۔ میری ایک تجویز ہے کہ ہم لوگ شاہ حبشہ کے پاس جائیں اور کچھ دن وہیں ٹھہر جائیں۔ اس دوران اگر محمد ﷺ غالب آ گئے تو ہم لوگ تو نجاشی کے پاس ہوں گے اور ہماری خوش قسمتی ہوگی کہ ہم محمد ﷺ کے احسان مند ہونے کی بجائے شاہ حبشہ کے احسان مند رہیں گے۔ لوگوں نے تجویز پسند کی، اس طرح ابن العاص نے چمڑے کی صورت میں چند تحائف جمع کئے اور حبشہ جا پہنچے۔ اس دوران رسول اکرم ﷺ کی طرف سے عمرو ابن امیہ ضمری جو جعفر بن ابی طالب کے معیت میں حبشہ گئے تھے انہیں نظر آئے۔ ان لوگوں نے جو پیغام دینا تھا دیا اور باہر نکل گئے۔

میری باری آئی اور میں نجاشی کے دربار میں پیش ہوا۔ دربار میں داخل ہوتے ہی میں نے سجدہ کیا۔ نجاشی نے کہا:

میرے دوست کا آنا مبارک ہو کیا تم اپنے ملک سے میرے لئے کوئی چیز لائے ہو؟

میں نے کہا ہاں بادشاہ سلامت میں آپ کے لئے چمڑے کی صورت میں ہدیہ لایا ہوں۔

نجاشی بہت خوش ہوا۔

میں نے اس کی خوشی سے فائدہ اٹھانا چاہا سو میں نے کہا:

معزز بادشاہ!

ابھی ابھی میں نے آپ کے دربار سے ایک آدمی باہر نکلتا دیکھا ہے۔ یہ ہمارے دشمن کا ایلچی تھا۔ آپ اسے میرے حوالے کر دیں تاکہ میں اسے قتل کر دوں۔ اس نے ہمارے بزرگوں کو تکلیف پہنچائی ہے۔

یہ سنتے ہی نجاشی غصے میں آ گیا اور غضب کے عالم میں اپنے ہی منہ پر ایک طمانچہ مارا۔ اس موقع پر زمین اگر پھٹ جاتی تو میں خوف کے مارے زمین کے اندر دھنس جاتا۔

میں نے عرض کی بادشاہ مکرم!

مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ آپ بھڑک جائیں گے تو میں ہرگز یہ بات نہ کرتا۔

نجاشی بولا!

کیا تم اس شخص کے ایلچی کو قتل کرنا چاہتے ہو جس کے پاس وہی ناموس اکبر آتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔

''میں نے کہا کیا یہ محمد ﷺ واقعۃً موسیٰ علیہ السلام کی طرح کے نبی ہیں''۔

نجاشی نے کہا!

اے عمرو بن العاص تو مر جائے میری بات مان اور محمد ﷺ کی اتباع کر اللہ کی قسم وہ نبی برحق ہیں اور مخالفین پر بالآخر وہی غالب آئیں گے۔

میں نے عرض کیا آپ مجھ سے محمد ﷺ کے لئے بیعت لے سکتے ہیں۔ اس نے کہا ہاں تو میں نے ہاتھ پھیلا دیا اور اس کے ہاتھ اسلام کی بیعت کی اور پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور مجھے اسلام کی دولت اللہ نے عطا فرما دی۔ اس حدیث میں بیعت کا قصہ آپ خود بیان کرتے ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر اور بہت سارے دیگر علاقے فتح کئے۔ آپ کی عسکری مہارت ہمیشہ مسلمہ رہی لیکن ''مصر'' آپ

کے دماغ کی سوزش بن گیا۔ پہلے خراج کم بھیجنے پر حضرت عمرؓ ناراض ہوئے پھر حضرت عثمانؓ نے انہیں اسی شکایت پر معزول کر دیا۔ حضرت مولا علی مرتضیٰؓ کے خلاف چابک دستی سے لڑتے رہے۔ حضرت معاویہؓ کے ساتھ مصر کی حکومت لینے کے عوض وفاداری پیش کر دی۔ تحکیم میں علی المرتضیٰ سے غدر ہو گیا۔ مصر بچانے کی فکر میں محمد بن ابی بکرؓ کا قتل گلے ڈال لیا اور ان کی کھال ادھیڑنے کا حکم جاری کر دیا، مشکلات کا ہار گلے میں ڈال لیا، اگرچہ دنیوی زندگی آسودہ گزری لیکن موت کے وقت آپ نے خود ہی جن خیالات کا اظہار فرمایا انہی کی زبان میں ملاحظہ ہوں۔

استیعاب میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کی رحلت کے وقت ان کے پاس آئے اور پوچھا ابوعبداللہ! کیا حال ہے حضرت عمرو بن العاصؓ خوب روئے اور فرمانے لگے۔

کیا پوچھتے ہو دنیا بنائی کم ہے اور دین بگاڑا زیادہ ہے اگر اس کو بگاڑتا جس کو بنانا تھا اور اسے بناتا جسے بگاڑا ہے تو یقیناً کامیاب ہو جاتا، اگر آخری عمر کی تمنائیں فائدہ دیتیں تو ضرور آرزو کرتا اگر آج بھاگنے سے بچ سکتا ہوتا تو ضرور بھاگ جاتا مگر اب معلق کی طرح آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہوں، نہ ہاتھوں کے سہارے اوپر چڑھ سکتا ہوں اور نہ پاؤں کے سہارے نیچے اتر سکتا ہوں۔

اے بھتیجے! مجھے کوئی نصیحت کر کہ میں اس سے فائدہ اٹھاؤں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا افسوس اب وقت کہاں اب تو آپ کا بھتیجا بوڑھا ہو کر آپ کا بھائی ہو گیا ہے۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ میں بھی آپ کے ساتھ روؤں تو میں بھی رونے کے لئے تیار ہوں۔ مقیم سفر کا کیسے یقین کر سکتا ہے۔

عمرو بن العاص نے کہا:

میری عمر اس وقت اسی برس سے زیادہ ہو گئی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما تو مجھے رحمت سے ناامید کر رہا ہے۔

ابن عباس نے کہا:

عمرو جو چیز تم نے لی تھی وہ نئی تھی اور جو دے رہے ہو وہ پرانی ہے۔

ابن شامہ مہری کا بیان ہے کہ آخری وقت عمرو ابن العاص نے کلمہ طیبہ کی شہادت دی اور آخری الفاظ یہ کہے:

خدایا!

میں بری نہیں ہوں کہ معذرت کروں طاقت ور نہیں ہوں کہ غالب آ جاؤں اگر تیری رحمت نے دستگیری نہ کی تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ (طبقات ابن سعد)

اتیت النبی ﷺ:

حضور ﷺ کے اصحاب جس تفرد کے ساتھ تاریخ میں پہچانے گئے وہ حضور ﷺ کی نسبتیں ہیں۔ نسبتوں کا حصول اور ان کا تحفظ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی میں فضیلتوں کی معراج تصور کیا جاتا تھا۔ ان کے قدم صبح شام در رسول ﷺ کی طرف بڑھتے رہتے تھے۔ آپ ﷺ کی دہلیز تک رسائی ان کے نزدیک سر پر کلاہ خسروی رکھنے سے زیادہ عزیز تھی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے بیان حدیث میں جس وقت یہ فرمایا اتیت النبی ﷺ، میں حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا، ان الفاظ ہی نے فلسفوں کی کتابیں شستہ کر دیں اور سامع حدیث کا ذہن ایک پاکیزہ ماحول کا سیارہ بن گیا۔ طبیعتوں میں آرزوئیں مچلنے لگ گئیں کہ دیکھیں تو سہی کیا ہوتا ہے اور کیا ہوا؟ لطیف لمحوں کی اذان یہ ہے کہ عمرو نبی ﷺ دہلیز پر کھڑے ہیں اور ظاہر ہے نبی بادشاہ نہیں ہوتا منشائے خالق کی برہان ہوتا ہے، علوم کا سرچشمہ ہوتا ہے، عطاؤں کا اظہار بے مثل ہوتا ہے، بادشاہ تو اس کی دہلیز پر لٹتے ہیں۔ حضرت عمرو کا زور اس بات پر ہے کہ میں حضور انور ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی ہاتھ پھیلائیے تاکہ میں آپ کی بیعت کروں۔

بیعت کیا ہے:

حضور ﷺ کے روبرو جو شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتا وہ اپنا ہاتھ دست اقدس میں دے کر پیمان باندھتا کہ اب میری ساری عمر وفا میں گزرے گی۔ بیعت روحانی حلف کا ایک جمالیاتی اظہار تھا کہ میں عقیدہ توحید پر قائم رہوں گا۔ میں نے ہر حالت میں اس ایمان پر قائم رہنا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، یہ بھی مسلمان کا نور ہے کہ مذاہب کی دنیا میں حلف صحیفوں پر ہوتے ہیں اور اسلام میں پیمان وفا مولد کرنے کا صحیفہ نور دست رسول تھا۔ حضور ﷺ کے ہاتھوں کا لمس حواس میں اتارنا اس بات کا بھی روحانی اقرار ہوتا کہ ہم خود کو اور نبی کو برابر نہیں

سمجھتے، حضور ﷺ بعض اوقات اپنے مسلمان غلاموں سے بار بار بیعت لیتے اور ان کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھتے، کبھی بیعت توبہ، کبھی بیعت جہاد اور کبھی بیعت ہجرت، اس لئے کہ دریا میں ہاتھ ہلانے سے لہروں میں تموج ابھرتا ہے۔ حضور ﷺ کا دست اقدس یقیناً جذبوں اور شعور کے سمندر میں تلاطم پیدا کرتا۔

آج جو ہم لوگ بیعت کرتے ہیں یقیناً یہ بات درست ہے کہ نہ بیعت لینے والے اور نہ بیعت دینے والے رہے جو دور اول کا سرمایہ تھا لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ ہم صرف تصور اتارنے والے لوگ ہیں۔ نماز کی تصویر، زکوٰۃ کی تصویر، حج کی تصویر اور قربانی کی تصویر جب باقی زندگی کے ہر شعبہ میں تصویر رسول انقلاب، تحریک اور تقرب الٰہی کے موضوعات عطا کرتی ہے تو صرف بیعت سے انکار کیوں؟ ظلمتوں کے جگر پھاڑنے اور اندھیری کے پردے ہٹانے کے لئے کل کی طرح آج بھی بیعت فائدہ دیتی ہے لیکن دیدہ کوران جمالیاتی حسوں سے بہرہ یاب نہیں ہو سکتا۔

بیعت میں شرط:

حضرت عمرو ﷺ نے بیعت میں ایک شرط رکھی کہ گناہوں کی معافی ہو تو بیعت لی اور دی جائے۔ اصل میں بیعت کا لغوی معنی سائل کے دریائے جذب و جنوں میں کنول کا پھول بن کر تیرتا رہا تھا کہ بیعت "باع" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی تجارت میں اشیاء کا تبادلہ ہوتا ہے۔ مشتری اور بائع بیک وقت ایک چیز لینے والے ہوتے ہیں اور ایک چیز دینے والے ہوتے ہیں۔ حضرت عمرو ﷺ نے گویا عرض کی میں بیعت میں مال، جان اور عرض سب کچھ محسن کائنات کے سپرد کر رہا ہوں جب میں یہ سب کچھ دوں گا تو مجھے کچھ ملنا بھی چاہئے اور طالب حق کے لئے مغفرت ذنوب سے بڑی کوئی دولت نہیں ہو سکتی فلہٰذا جو جذبہ اور سوچ تھی وہ بے تاب ہو کر زبان کا اظہار بن گئی۔

حضور ﷺ نے مایوس نہ فرمایا:

سیرت کا طالب علم سوچ سکتا ہے کہ معصوم سے بیعت دیتے ہوئے شرط لگانا چہ معنی دارد۔ حسن ازل کا پرتو رکھنے والوں کی اطاعت غیر مشروط ہو تو وہی لطف رکھتی ہے۔ سوچنے والے بھی عالم خیالات کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ اب ہر آدمی کا مقدر ابوبکر ﷺ اور علی ﷺ جیسا تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ ابوہریرہ ﷺ کی خالی چادر میں خالی ہاتھوں سے عطاؤں کے عالمتی انداز نرالے عطا کرتے ہیں، لیکن ہر نظر اور ہر ذہن کا مقدر تھوڑا ہی ہے کہ حافظے کا نور ابوہریرہ ﷺ کی چادر میں دیکھ سکے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کی بیعت جس شخص نے جو طلب رکھ کے کی اللہ نے اپنے نبی رحمت کے وسیلہ سے اسے خوب نوازا۔ سمجھنے میں یہ احتیاط رہے کہ حضور اللہ کی طرف بندوں کا وسیلہ ہیں، بندوں سے قرب کے لئے اللہ کا وسیلہ نہیں، اللہ کسی کا محتاج نہیں، فضیلتیں سب اس کی محبت کے جلوے ہیں۔

گناہوں کا انہدام:

حضور ﷺ نے تین چیزیں ارشاد فرمائیں جن سے گناہ منہدم ہو جاتے ہیں۔

(۱) اسلام کا قبول کرنا

(۲) اللہ کی راہ میں ہجرت

(۳) اور بیت اللہ المکرم کا حج

اسلام کا قبول کرنا مظالم اور ہر قسم کے گناہوں کو بخشوا دیتا ہے یہی بات شیخ تورپشتی نے رقم فرمائی ہے کہ اسلام اپنے قبل کے جملہ مظالم اور غیر مظالم، کبائر اور صغائر محو کر دیتا ہے جبکہ حج اور ہجرت مظالم کو محو نہیں کرتے البتہ صغائر کا محو ہو جانا عند اہل مسلمہ ہے۔ بعض شارحین نے لکھا کہ حقوق مالیہ ہجرت اور حج سے محو نہیں ہوتے باقی تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسلام کی اصولی تعلیم تین چیزوں کے گرد گھومتی ہے۔

ایک اصول و فروع کو دل و جان سے تسلیم کرنا ہے۔۔"

دوسری شعائر اللہ کی تعظیم و تکریم ہے۔۔۔۔"

اور تیسری چیز ترک معصیت ہے۔۔

حدیث مذکور میں اسلام کا قبول کرنا اس سے مراد اسلام کے تمام اصول و فروع کو اعتقاداً تسلیم کرنا ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم کے لئے حج کا نام لیا گیا ہے اور یونہی ہجرت کا مفہوم ترک معصیت کے لئے اختیار کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم ﷺ کی محبت نصیب فرمائے۔ آمین یارب العلمین۔ صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆

العرفان

محمد عبدالقدیر صدیقی قادری حسرت

سابق پروفیسر وصدر شعبہ دینیات
عثمانیہ یونیورسٹی

علامہ عبدالقدیر صدیقی برصغیر ہندو پاک کے نامور عالم دین، فلسفہ کے معتبر معلم اور قرآن حکیم کے مسلمہ مفسر ہیں۔ تفسیر صدیقی کے نام سے قرآن حکیم پر تحقیقی اور تفسیری کام کیا ہے۔ پاکستان میں ان پر بہت کم لکھا گیا۔ اصطلاحی اور عملی تصوف کا انہیں شہر یار کہا جا سکتا ہے" **العرفان**" تصوف اور حکمت کا شہکار مجموعہ مضامین ہے۔ علمائے قدیم کی طرز پر تفہیم تصوف کے لئے "العرفان" قسط وار شائع کی جارہی ہے۔"

حصہ سوم

خیر وشر: وجود محض خیر محض ہے۔ اور عدم محض شر محض۔ اگر کسی شئے سے وجود کے بعض آثار نمایاں ہوں۔ اور بعض نمایاں نہ ہوں تو وہ وجود اضافی ہے اور اس پر خیر وشر اضافی مرتب ہوگا۔ جس کام میں خیر کثیر اور شر قلیل ہو وہ قابل اختیار ہے جس کام میں شر کثیر اور خیر قلیل ہو وہ قابل ترک ہے۔

قوانین تمدن خیر کثیر اور شر کثیر دنیا پر مبنی رہتے ہیں۔ شریعت دو جہاں میں خیر کثیر کو پہنچاتی ہے۔

ہر چند ایک چیز، ایک چیز کے لحاظ سے خیر اور ایک دوسری چیز کے لحاظ سے شر ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ شر اضافی کا تقاضہ ہے مگر وجود کے لحاظ سے تو ہر شئے خیر ہی خیر ہے۔ کیونکہ وجود خیر محض ہے۔

وجود محض وہستی مطلق، ذات حق میں منحصر ہے اور عدم محض موجود ہی نہیں۔ پس ماسوائے حق جتنے اشیاء ہیں وہ وجود اضافی یا عدم اضافی ہیں۔ لہذا شر سے خالی نہیں۔ غرض کہ تعین یعنی مخلوقات کے لوازم سے عدم اضافی ہے۔ جس کو شر لازم ہے کیونکہ تعین امتیاز پر دلالت کرتا ہے اور کسی نہ کسی شئے کے چھوٹنے کو ظاہر کرتا ہے جو عدم ہے۔

مخلوقات کا تعین، اضافی وعدمی ہے۔ خدائے تعالیٰ کی تعین ذاتی وجودی ہے۔

کسی ممکن ومخلوق سے وجوب ذاتی واستغفار ذاتی نمایاں وظاہر نہیں ہوتے۔ کیونکہ حقیقت ممکنہ کو متغیر ہونا، افتقار واحتیاج لازم ہے۔

(حکمت اسلامیہ ص ۴۰۔۴۱)

(ایک مثال کے ذریعہ حضرت نے المعارف حصہ دوم میں خیر وشر کے عنوان کے تحت خیر وشر کو اس طرح بالتفصیل سمجھایا ہے) للمرتب

رین بازار میں یوسف خاں نامی ایک شخص رہتا تھا، جس کی کئی بیبیاں اور نوکر چاکر اور یار ومددگار تھے۔ اس نے ہمارے ہمسایہ مولوی عبداللہ شاہ صاحب اور مولوی احتشام الدین صاحب اور دیگر اشخاص کے مکان میں وہ ڈاکے ڈالے کہ بایدوشاید۔ ماماؤں اور نوکروں سے گھر کا حال دریافت کر لیا جاتا تھا۔ زیور اور قیمتی لباس اور رقم کا مقام پوچھ لیا جاتا تھا۔ دروازوں کے چول اور قفل بڑی خوبی سے توڑے جاتے تھے چراغ اور بجلی کے گولے ہوشیاری کے ساتھ بجھا دیئے جاتے۔ سامان اڑانے جانے کا انتظام نہایت اچھا تھا۔ چلتے ہوئے تمام دروازے بند کر دیئے جاتے۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ یوسف خاں اپنی کارگزاری کے وقت گرفتار ہوا ہو۔ کبھی کسی کو جانی بدنی تکلیف دینے کی ضرورت ہی نہ ہوئی۔ رقم اور سامان نہایت احتیاط سے محفوظ مقام میں رکھا گیا۔ کوتوالی کی کارروائیوں سے وقت بوقت خبر رکھی گئی۔ مگر لائق عہدہ داران کوتوالی نے بھی بڑی خوبی سے تلاش جاری رکھی۔ چائے خانوں اور عیندہ خانوں سے ٹوہ لی گئی۔ جا بجا خبریں حاصل کی گئیں۔ آخر کار کانوں پر کچھ بھنک سی پڑ گئی پھر کیا ہوا یوسف خاں کی نقل وحرکت پر نظر رکھی گئی خفیہ طور پر گھر کا محاصرہ کیا گیا۔

کوتوالی جب یوسف خاں کے گھر میں گھسی تو یوسف خاں کو وہاں نہ پایا۔ جب خوب تجسس کیا گیا تو ایک مقفل حجرے میں بوریے میں لپٹے ہوئے جناب یوسف خاں صاحب ملے۔ کوتوالی نے بھی ایسا انتظام کیا کہ کسی کو نکسیر تک نہ پھوٹی اور ملزم گرفتار ہو گیا۔ یوسف خاں جیسے ہوشیار اور شجاع شخص سے دم دلاسے سے اقرار لیا گیا۔ سامان برآمد کیا گیا۔ ثبوت فراہم کیا گیا۔ آخر مولوی محمد اسداللہ صاحب صدیقی ناظم فوجداری کی پیشی میں مقدمہ چالان ہوا۔ ناظم صاحب مذکور نے بھی نہایت منصفانہ فیصلہ کیا اور اب یوسف خاں مولوی شاہ پیر اں صاحب بی اے کی زیر نگرانی نہایت حفاظت سے ایک عظیم الشان مکان واقع چنچلگوڑہ میں ہے۔

ذرا اس ڈاکے پر غور کرو کہ اگر وہ واقع نہ ہوتا تو یوسف خاں کی بیبیاں نوکر چاکر کس طرح پرورش پاتے؟ کیا کھاتے؟ کیا پیتے؟ کیا پہنتے؟ ڈاکے کے بعد ان لوگوں کی خوشی کس درجہ پر تھی۔ یہ ڈاکے ان کے حق میں خیر ہونے میں کیا شک ہے۔ مگر اس کے متعلق مولوی عبداللہ شاہ صاحب اور مولوی احتشام الدین صاحب سے پوچھو کہ وہ اس کو کیا سمجھتے ہیں؟ شر اور لاریب شر۔ برسوں کی کمائی برباد، زیور تباہ، کپڑے مفقود، رقم نابود۔ لہذا یہ ڈاکہ یوسف خان اور اس کے متعلقین کے لئے خیر ہے اور مولوی عبداللہ شاہ صاحب اور مولوی احتشام الدین صاحب کے حق میں شر ہے۔ یعنی یہ "خیر وشر اضافی" ہے۔ کوتوالی وعدالت ومنتظمین مجلس کے خیال میں یہ ڈاکہ کیسا ہے؟ ظاہر ہے کہ شر ہے خیر نہیں۔ جو لوگ جائز طور سے محنت کر کے کماتے ہیں وہ نیک ہیں جو دوسروں کی کمائی کو ناجائز طور سے حاصل کرتے ہیں وہ بد ہیں۔ ان کا ایسا طریقہ بدمعاشی میں داخل ہے۔ اگر کوتوالی ان بدمعاشوں کو گرفتار نہ کرے اور عدالت سزا نہ دے۔ مجلس والے ان پر نگرانی نہ رکھیں تو ریاست کا انتظام بگڑ جائے گا۔ امن وامان مفقود ہو جائے۔ کوئی شخص اپنا کاروبار نہ کر سکے۔ لہذا ان بدمعاشوں کا کام "شر کثیر" اور ان کو سزا دینا "خیر کثیر" ہے اس خیر کثیر وشر کثیر کو دریافت کرنے والی مجلس عقلا یعنی مجلس وضع قوانین ہے۔

زیادہ غائر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ یہ چند روزہ ہے۔ تمدن ایک ادنیٰ چیز ہے۔ عقل محدود اور اس کا فتویٰ ناقص ہے۔ ایک ملک کے عقلا

دوسرے ملک کے افراد پر ظلم، تعدی، استعباد اور استبداد کی کوئی نہ کوئی وجہ تراش ہی لیتے ہیں۔ حق کو کون قوت سمجھتا ہے۔ قوت ہی حق سمجھی جاتی ہے۔ مرنے کے بعد ہستی کہاں، موت ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کا نام ہے۔ ایک اور بہت بڑی لمبی زندگی آنے والی ہے۔ جو اس زندگی پر مبنی ہے۔ ان خیر فخیرا ان شرا فشر ۔ نیک تو نیک، بد تو بد۔ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ ۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔ دنیا اور آخرت دونوں میں خوش بسری کی بھی کوئی صورت ہے۔ اور اس کو بتائے کون؟ اور اس کی تلقین کرے کون؟ خدا متفق ہے، پیغمبر اس کا معلم ہے اور شریعت اس کا قانون ہے۔ اپنی خیر دارین چاہتے ہو تو اس کا حکم مانو۔ پیغمبر کی تعلیم کے پابند رہو اور شریعت کو شمع ہدایت جانو۔ بادشاہ کے قانون کی خلاف ورزی سے سزا ملتی ہے اور زندگی تکلیف میں گزرتی ہے۔ قانون خداوندی سے سرتابی کرو گے تو خسر الدنیا والآخرۃ ذالک ھو الخسران المبین کے مصداق ہو جاؤ گے۔

آؤ ذرا یوسف خاں والے واقعہ پر ایک تحقیقی نظر ڈالیں کیا یوسف خاں نے چوری کی یا ڈاکہ ڈالا؟ اس میں کیا شک ہے۔ ڈاکے کے لئے اس نے منصوبے باندھے، خیالات پکائے، خوش حال لوگوں کے گھروں کی خبر رکھی۔ ان کی غفلت سے فائدہ اٹھایا ان کے نوکروں سے سازشیں کی گئیں۔ بالارادہ اپنے گھر سے نکلا باقاعدہ دوسروں کے گھر میں گھسا۔ جان بوجھ کر غیروں کا سامان لے کر چلتا بنا۔ یہ سب کام اس نے کئے جو بدیہات اور محسوسات سے ہیں، اسی بنا پر تو ناظم صاحب فوجداری نے سزا دی۔ اگر یہ صاحب ارادہ نہ ہوتا، اس کی عقل بے کار ہوتی، اس کو اپنے آپ کی خبر نہ ہوتی تو متضررین شکایت کرتے نہ کوتوالی چالان کرتی، نہ عدالت اس کو سزا سناتی۔ اگر وہ اپنی بے ارادتی کا عذر پیش کرے جبکہ وہ عقل و ہوش میں ہو تو یہ عذر مسموع کبھی نہ ہوگا۔ اور سزا ہو کر رہے گی۔ اور ہونی ہی چاہئے۔ اگر کوئی واقعی دیوانہ ہے، اس کے افعال تحت عقل نہ رہے ہوں تو وہ دارالمجانین میں رکھا جا سکے گا نہ کہ مجرمین کے ساتھ۔

میری بے خودی میں اس نے مجھے دوش پر سنبھالا
میں جو ہوشیار ہوتا تو نہ ہوشیار ہوتا

(حسرت)

آخر یہ ڈاکہ اس نے کیا کیوں؟ اور ایسا ارادہ پیدا ہوا کیونکر؟ ماں باپ نے صحیح تربیت و تعلیم نہیں دی، صحبت بد نے اپنا اثر ڈالا، متعلقین کی حرص و زیادہ طلبی نے آمادہ کیا، مالداروں کی غفلت نے رہنمائی کی، دل و دماغ کی قوت نے جرأت دلائی، ان تمام اسباب کا اجتماع ڈاکے کے ارادوں کی علت بن گیا۔

آؤ اور ایک دفعہ پھر اس پر نظر غائر ڈالیں۔ چوری نہ ہوتی یا دوسرے اور جرم نہ ہوتے تو کیا ہوتا؟ کوتوالی کا انتظام کیوں کر نمایاں ہوتا؟ امنا، اور خفیہ کے عہدیداروں کی قابلیت کس طرح ظاہر ہوتی؟ وکلا، کی قانون دانی اور بال کی کھال نکالنے کا کب مزہ آتا؟ ناظم فوجداری کا دودھ کا دودھ پانی کا پانی کرنا، پردۂ اخفاء میں چھپا کا چھپا رہ جاتا۔ اہل محابس کا انتظام ظہور کے لئے ترستا رہ جاتا۔ یہ تمام صیغے بے کار ہو جاتے اس کے ملازمین ضروریات زندگی حاصل کرنے میں کس قدر مضطر و پریشان ہوتے۔ معلوم ہوا کہ نظام عالم اور دنیا کی رنگارنگی کے لئے جو کچھ ہو رہا ہے اچھا ہی ہو رہا ہے۔ نظام کلی کے لحاظ سے کوئی شئے بری نہیں۔ یہاں خیر کو شر سے قریبی رشتہ اور ایک کو دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ حکمت کے دریا میں خیر و شر دونوں ڈوب کر اور اس کے قیامت خیز تلاطم میں پاش پاش ہو کر صاف و شفاف پانی رہ جاتے ہیں۔ نہ اس کا نشان باقی رہتا ہے نہ اس کا۔ غرض کہ اس اعتبار میں خیر محض اور حسن ذاتی ہے۔

آؤ پھر ایک مرتبہ اسی مسئلہ پر ذرا غور کریں۔ مہندس یا معمار نے مکان کا دل میں خاکہ سوچا کئی قطعے اس خاکے میں تھے۔ ملاقات کا کمرہ، خلوت کا کمرہ، دفتر کا کمرہ، کتب خانہ، سلاح خانہ، خواب گاہ، نعمت خانہ، دالان، بچوں اور ماماؤں کے کمرے، مسودی خانہ، باورچی خانہ، حمام، ادب خانہ، اصطبل، اس کے متعلق حجرے، نوکروں کے حجرے وغیرہ وغیرہ۔ پھر اس خاکے کو کاغذ پر کھینچا۔ پھر اس خاکے کے مطابق مکان کو وجود خارجی دیا یعنی مکان بنایا۔ ملاقات کا کمرہ، خلوت کا کمرہ، عمدہ رنگے ہوئے ہیں۔ صوفے، میز، کرسیوں وغیرہ سے آراستہ، بجلی کے گولے سے منور، دروازوں پر جالی کے پردے چھٹے ہوئے۔ اس کے بالمقابل حمام میں ایک ٹب ہے اور اس کے پاس ہی ایک لوٹا، چوکی پر صابون دان ہے، کھونٹی پر ایک تہبند ہے اور ایک تولیہ۔ ادب خانہ میں صرف ایک ٹونٹی دار پانی کا پیپہ اور ایک لوٹا ہے۔ معمار مہندس نے تمام کمرے بنا دیئے تھے۔ صاحب خانہ نے کسی کو آراستہ کر دیا کسی میں میلا ڈالا۔ کیا اس نے ادب خانہ پر ظلم کیا یا حمام یا باورچی خانہ پر؟ نہیں ان قطعات کی طبیعت کا اقتضاء، ان کی استعداد ذاتی کی طلب بھی یہی تھی کہ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاتا اور ملاقات، خلوت خانہ اور خواب گاہ کا مقتضیٰ بھی یہی تھا کہ وہ آراستہ و پیراستہ کئے جاتے۔

شئے ہمیشہ اپنے لوازم اور اقتضات کے ساتھ رہتی ہے، یہ نہیں کہ شئے کو کوئی اور اس کے لوازم و فواتیات دیتا ہے۔ ورنہ ملزوم سے لازم کا انفکاک لازم آنے کا جو محال ہے۔ بہر حال مکان کے نظام کا یہ مقتضاء تھا کہ ہر حجرہ و مقام اپنے کمال ذاتی کو پہنچتا۔ ادب خانے کی موری کا پتھر زبان حال سے چلا رہا ہے کہ وہ موری میں لگایا جائے۔ مہندس کے خیال کے مطابق جس طرح ملاقات کا کمرہ ضروری ہے اسی طرح ادب خانہ بھی۔ اگر ادب خانہ نہ ہوتا تو تمام مکان متعفن ہو جاتا۔ اگر موری نہ ہوتی تو گھر غلاظت سے بھر جاتا۔ غرض کہ ہر شئے اپنے محل پر اچھی ہے۔ ہر شئے کو اس کا حق نہ دینا یا اس کے محل پر نہ رکھنا ظلم ہے نہ کہ برعکس۔

آسمان سے موتی کے جیسا صاف و شفاف پانی برستا ہے اور وہ موتیا و گلاب کے درخت میں پھول نکالتا ہے اور ان سے دماغ عالم کو معطر کر دیتا ہے۔ ناگ پھنی میں کانٹے، کچلے میں سمیت، جدوار میں تریاقیت، آم میں شیرینی، حنظل میں تلخی پیدا کر دیتا ہے۔ پانی وہی ہے مگر اپنی اپنی استعداد ہے۔

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس
تو نے وہ دیا جو میں نے مانگا
تھا تیرا کمال فی سوالی
بد کون ہے اور نیک ہے کون
تو در ہر شان با کمالی
ہر جام کا رنگ گو جدا ہے
پر مئے سے ہے کون سا جام خالی

(حسرت)

حکماء کہتے ہیں الوجود خیر محض والعدم شر۔ جہاں خوبی پاتے ہو وہ وجود کی وجہ سے ہے، جہاں شر سمجھتے ہو اس کا مرجع عدم ہی ہے۔ سپاہی کے دست نے وار کیا۔ تلوار نے برش دکھائی گردن کٹ گئی۔ دشمن کا سر اڑ گیا۔ غور کرو یہاں شر کہاں سے پیدا ہوا؟ کیا سپاہی کے دست زبردست سے؟ اگر سپاہی کا ہاتھ خالی جاتا یا وہ کمزور ثابت ہوتا تو عیب تھا۔ تلوار کی تیزی بھی قابل تعریف ہے۔ مقتول کی گردن کا کٹنا بھی اس کی طبیعت کا متقاضی تھا۔ شریت جو پیدا ہوئی وہ زوال حیات ہے۔ مقتول کی بیوی کا بیوہ، بچوں کا یتیم ہو جانا، اس کے متعلقین کا کوئی خیر گیراں نہ ہونا باعث شر ہیں۔ جو سب عدمی ہیں۔ جب چور کے پاس روپیہ نہ تھا وہ تکلیف میں تھا۔ ساہوکار کے پاس روپیہ تھا وہ خیر میں تھا۔ جب چور نے روپے کو اس سے جدا کر دیا اور اس کو اپنے پاس کر لیا تو ساہوکار حال شر میں آ گیا اور چور حال خیر میں۔ جب عدالت نے اس کو قید میں ڈال دیا اور اس کو اس کے بیوی بچوں سے چھڑا دیا، مالوفات سے جدا کر دیا تو وہ حال شر میں آ گیا۔ بہر حال مرجع خیر وجود ہے اور مرجع شر عدم۔

ہر جا کہ وجود کردہ سیر است اے دل
می داں، بہ یقیں کہ محض خیر است اے دل
ہر شر ز عدم بود عدم غیر وجود
پس شر ہمہ مقتضائے خیر است اے دل

(جامی)

اب میں ایک سوال کی طرف توجہ دلاتا ہوں کیا خیر و شر دونوں بندے کی طرف سے ہیں یا دونوں خدا کی طرف سے یا خیر خدا کی طرف سے اور شر بندے کی طرف سے؟

(میرے پاس تینوں باتیں صحیح ہیں اور ہر ایک اپنے محل پر حق ہے)

(۱) لها ما کسبت و علیها ما اکتسبت (۲) قل کل من عندالله (۳) ما اصابک من حسنة فمن الله و ما اصابک من سیئة فمن نفسک.

یہ بات ظاہر ہے کہ نماز ہم پڑھتے ہیں، روزہ ہم رکھتے ہیں، غیبت ہم کرتے ہیں، جھوٹ ہم بولتے ہیں۔ ان میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو خدائے جل جلالہ کی طرف منسوب ہو سکے اور ان افعال کا فاعل حق عزمجدہ کو جانیں۔

کیونکہ یہ مسئلہ کسب فعل پر مبنی ہے۔ پس فعل خیر و شر بندے کی طرف راجع ہے۔ یہ معنیٰ ہیں لھا ما کسبت و علیھا ما اکتسبت کے جس کا فعل اسی کی طرف منسوب ہوگا۔

یہ بات بھی مخفی نہیں کہ خلق فعل اور اعطاء وجود رب العالمین کا کام ہے۔ پس جب تک پروردگار کن نہ فرمائے کا بندے کا نہ اچھا کام نمایاں و پیدا ہو سکتا ہے، نہ اس کا برا فعل۔ پس باعتبار خلق و اعطاء وجود خارجی کے ہر شئے، ہر فعل، ہر صفت خدائے تعالیٰ کی محتاج اور اس کی طرف دست گدائی و سوال کشادہ ہے۔ یہ ہے معنیٰ قل کل من عند اللہ کے۔

یہ بات بھی پوشیدہ نہیں کہ نور خورشید ہر شئے پر برابر پڑتا ہے۔ اس کے عطاء نور میں بخل نہیں مگر وہی نور جب اشیاء پر پڑتا ہے تو ان کی حقیقت کی صلاحیت کے مطابق۔ ان کی فطرت کے اقتضاء کے مناسب منعکس ہوتا ہے تو کہیں نیل گوں، کہیں سرخ، کہیں زرد، کہیں ارغوانی، کہیں سبز ظاہر ہوتا ہے۔ لافنگ گیلری میں جاؤ تو تم کہیں دبلے لمبے، کہیں موٹے اور چھوٹے قد کے، کہیں سر نیچے پاؤں اوپر، کہیں راست اور درست معلوم ہوتے ہو، یہ قصور آفتاب کا یا تمہارے دیکھنے کا نہیں بلکہ دکھانے والے آئینوں کا ہے کہ کوئی اچھے کو اچھا دکھاتا ہے اور کوئی اچھے کو برا دکھاتا ہے۔

پس خدائے تعالیٰ جو وجود محض ہے، خیر محض ہے، اس کی طرف شر کا رخ نہیں، تمام شرور حقیقت ممکنہ کی طرف اور اس کے عدم ذاتی کی طرف راجع ہوں گے۔ خلاصہ یہ کہ خیر خدائے تعالیٰ کی طرف سے اور شر بندے کی طرف سے ہے اور مرجع خیر حق اور مرجع شر ممکن ہے۔ یہ معنیٰ ہیں ما اصابک من حسنة فمن اللہ وما اصابک من سیئة فمن نفسک ۔ کے (حکمت اسلامیہ ص ۴۱، ۴۲)

تو بندے کو چاہیئے کہ عیوب و نقائص میں خود کو اللہ کی سپر بنائے اور ذات حق تک نقائص کو پہنچنے نہ دے اور کمالات و محامد میں ذات حق کو اپنی سپر بنائے۔ یعنی کمالات کو اس کی طرف منسوب کرے۔ الیہ یصعد الکلم الطیب۔ الحمد للہ رب العالمین۔

(ماخوذ از تمہید قص آدمیہ فصوص الحکم از بحر العلوم ص ۵)

فص حکمت فتوحیہ بکلمہ صالحیہ (فصوص الحکم) کی شرح کے پہلے حضرت نے جو تمہید لکھی ہے اس میں ان تینوں آیتوں کی جو اوپر بیان ہوئی ہیں، مسائل کی تحقیق اس طرح کی ہے۔ (للمرتب)

"ہر شخص کا جیسا عین ثابت اور اس کی طبیعت ہوگی ویسا ہی کام وہ کرے گا۔ خدائے تعالیٰ تو اس کی فطرت اور طبیعت کے اقتضاءات کو نمایاں اور موجود کرتا ہے۔ لہٰذا بھلا کیا تو تم نے اور برا کیا تو تم نے خدا پر کیا الزام یہ توجیہ ہے۔ لھا ما کسبت و علیھا ما اکتسبت کی۔ رونا ہے تو اپنے کو رو۔

تو نے وہ دیا جو میں نے مانگا
تھا تیرا کمال فی سوالی
برا بھلا ہم کرتے ہیں
منشاء کیونکہ طبیعت ہے
دیتا ہے ہر اک کو حکیم
جس کی جیسی فطرت ہے

(حسرت)

یہ بات بھی ظاہر ہے کہ موجودات اسمائے الٰہی کے جلوے ہیں۔ کیونکہ موجود بالذات صرف ذات حق ہے۔ عین ثابتہ و فطرت مخلوق کے موافق تمام آثار ظاہر ہوں گے۔ آئینے کی جیسی استعداد ہوگی ویسا ہی اس سے انعکاس ہوگا۔ وہی شئے زیادہ اچھی ہوگی جو اسمائے الٰہیہ کو زیادہ منعکس کرے گی۔ لہٰذا خیر تو وجود الٰہی سے ہوتا ہے اور شر عدم انعکاس اسمائے الٰہی ناقص استعداد سے۔

شریت سب عدم سے ہے
ہست میں سب خیریت ہے
فہم میں جو شر آتا ہے
مرجع اس کا اضافت ہے

(حسرت)

یہ ہے توجیہ ما اصابک من حسنۃ فمن اللّٰہ و ما اصابک من سیئۃ فمن نفسک کی۔

یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ خلق وتکوین نہ فرمائے تو کچھ بھی نمایاں نہ ہوگا۔ نہ کسی کا خیر ہی نمایاں ہوگا نہ کسی کا شر ہی ظاہر ہوگا پس تینوں آیتیں اپنے اپنے مقام پر قائم ہیں۔

خیر سے خیر ہی ہوتا ہے
بد منہی میں شرارت ہے

(حسرت)

یہ ہے توجیہ قل کل من عند اللّٰہ کی (شرح فصوص الحکم ص ۱۸۷، ۱۸۸)

(خیر وشر کے مسائل نہایت اہمیت رکھتے ہیں۔ اگر اس میں طوالت یا تکرار ہو جائے تو میری نظر میں نامناسب نہیں۔ حضرت نے المعارف حصہ دوم ہی میں "وجود" کے عنوان کے ضمن میں خیر وشر کو ایک دوسرے انداز میں سمجھایا ہے۔ جو حسب ذیل ہے (ملمرتب)

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اعیانِ ثابتہ معلوماتِ الٰہیہ ہیں اور یہ کہ وہ موجود فی الخارج نہیں اور خارج میں سوائے ذات حق کے کوئی نہیں تو دو امور تحقیق طلب ہوں گے۔ اول اعیان ثابتہ کا مجعول ومخلوق ہونا۔ دوم ان پر احکام خارجیہ کے مرتب ہونے کی کیفیت۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اعیان ثابتہ پر آثار مرتب ہونے کے لئے صرف معلوم واجب تعالیٰ ہونا کافی نہیں۔ بلکہ ان حقائق واعیان سے اسماء الٰہیہ کو نسبت ہو جائے اور اسماء الٰہیہ ان حقائق کے اقتضاء کے مطابق نمایاں اور تعین وتشخص اختیار کریں تو اعیان سے آثار ظاہر ہوں گے۔ جیسا کہ عناصر مثلاً تحت حقیقت شجر تعین اختیار کرتے ہیں تو ان پر احکام اشجار مرتب ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ شجر میں عناصر چھپ جاتے ہیں اسی طرح آپ ہم میں اسماء الٰہیہ مخفی ہوگئے ہیں اور جس طرح خارج میں عناصر ہیں اور شجر اعتباری وعلمی ہیں اور جس طرح عناصر بھی اعتباری وعلمی امور ہیں اور خارج میں صرف مادہ ہے۔ اسی طرح اسماء بھی اعتباری وعلمی امور ہیں اور خارج میں صرف ذات حق ہے۔ جس طرح کہ حکماء کے پاس مادہ قدیم اور اس پر وارد ہونے والے صور حادث ہیں اسی طرح ذات حق قدیم اور ہم حادث ہیں۔ جس طرح شیر گائے کو کھا جاتا ہے حالانکہ شیر اور گائے دونوں عناصر یا مادہ کے تعینات ہیں۔ اسی طرح مخلوقات کو ثواب وعذاب ورحمت ہوتی ہے اور جس طرح مادہ حکماء کے پاس عالم عناصر، پھر عالم جمادات، پھر عالم نباتات، پھر عالم حیوانات، پھر عالم انسان میں پہنچتا ہے۔ اسی طرح عین ثابتہ یا حقیقت ممکن علم الٰہی سے عالم ملکوت، عالم مثال، پھر عالم ناسوت یا عالم ملک وشہادت کو پہنچتے ہیں۔ کیا یہ عوالم خارج میں نہیں؟ عوالم اور عوالم میں جو کچھ ہے سب حقیقتاً علم الٰہی میں ہیں۔ مگر ان کو موجود فی الخارج اسماء، بلکہ ذات حق سے جو موجود فی الخارج ہے ایک قسم کا رابطہ ہوگیا ہے۔ اس لئے ان کو بھی موجود فی الخارج کہتے ہیں۔ کیا میں حقیقتاً موجود فی الخارج نہیں ہوں؟ کیا میں اردگرد کی چیزیں نہیں دیکھتا؟ اردگرد کی چیزیں تمہارے علم وخیال سے خارج ہیں اس لئے موجود فی الخارج ہیں مگر تم اور تمہارے اردگرد کی جو کچھ چیزیں ہیں، سب علم الٰہی میں ہیں۔ بلکہ علم الٰہی کے ایک کھیل کا نام عالم ہے۔

ایک امر قابل توجہ ہے۔ بدن انسانی پر غور کرو۔ اس میں آنکھ، ناک، منہ، زبان، ہاتھ پاؤں وغیرہ کتنے اعضاء ظاہری ہیں اور دل ودماغ، جگر، معدہ وغیرہ کتنے اجزاء باطنی ہیں کیا آنکھ اچھی ہے یا کان؟ ظاہر ہے کہ آنکھ اچھی ہے اگر نہ ہو تو دنیا اندھیر ہو۔ علم کا بہت بڑا راستہ بند ہو۔ دل اچھا ہے یا جگر کے گوشت کا ٹکڑا؟ ظاہر ہے کہ دل بادشاہ ہے ایک منٹ کے لئے وہ اپنا فعل چھوڑ دے تو جان نکل جائے۔ ہم تم راہی ملک بقا ہو جائیں۔ مگر کوئی نظام بدن انسانی پر غور کر کے کہے کہ ہر چیز اس کے اعتبار سے نہایت ضروری ہے یا نہیں؟ دیکھو تمام اعضاء میں کیسا باہمی ارتباط ہے۔ اگر ایک عضو نہ رہے یا اس کا فعل خراب ہو جائے تو سارے بدن کا انتظام بگڑ جائے، دوسرے دور دور کے اعضاء بغیر متاثر ہوئے نہ رہیں۔ کیا سخت تکلیف ہو۔

چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضو ہارا نماند قرار

اگر پیشاب بند ہو جائے یا پاخانہ نہ آئے، تو دیکھو کیسی بے قراری ہوتی ہے، کیسے طبیعت بگڑتی ہے۔ جو اعضاء ناپاک اور جن اعضاء کا نام لینا تک مکروہ سمجھا جاتا تھا۔ ان میں سلائی کرنے حقنہ دینے کے لئے روپے خرچ کرنے پڑیں گے اور ڈاکٹر کا احسان علیحدہ۔

اسی طرح نظام بدن میں علماء فضلاء، وزراء، شاہ وگدا سب کی ضرورت ہے۔ دیکھو خاکروب (مہتر یا بھنگی) اپکا کر کے میلہ اٹھانا چھوڑ دیتے ہیں تو سارے شہر کے گھر متعفن وغلیظ ہو جاتے ہیں۔ سب کی صحتوں پر کیسا برا اثر پڑتا ہے دیکھو خاکروب اور اس کا پیشہ بھی نظام بدن میں

کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ اسی طرح وجود کے تمام ظہورات فی حد ذاتہ اچھے ہیں۔ نظام کل کے اعتبار سے ہر شئے اپنے مقام میں اچھی اور خیر ہے۔

فرض کرو کہ شیر گائے کو کھا جائے یا بھیڑیا بکری کو، تو چونکہ گائے بکری کو شیر اور بھیڑیئے کا کھا جانا ان کا مقتضائے طبیعت ہے اس لئے شیر اور بھیڑیئے کی طبیعت کے لحاظ سے ہرگز برا نہیں اور اگر گائے بکری کا مالک اس شیر یا بھیڑیئے کو گولی مار دے تو وہ بھی برا نہیں ہے۔ کیونکہ انسان کو اپنی جان و مال کی حفاظت میں اسلحہ کا استعمال کرنا اس کی عقل کا اقتضاء ہے۔ لہٰذا وہ بھی اچھا ہے پھر وہ اگر حدود ممنوعہ شکارگاہ سرکاری کا واقعہ ہے تو متہم شکارگاہ کا اس گولی چلانے والے پر مقدمہ چلانا بھی قانون شکارگاہ کو مقتضاء ہے اچھا ہے اور حاکم شیر کے آبادی سے قریب آنے کے خطرہ کو ملاحظہ فرما کر معاف کر دے جو ان کے مرحمت و معدلت کا مقتضاء ہے تو وہ بھی اچھا ہے۔ غرض کہ ہر شئے کا کمال اس کے اقتضادات طبیعہ میں ہے۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ شیر گائے کو کھا جائے تو یہ فعل شیر کا سمجھا جائے گا نہ کہ عناصر یا مادے یا وجود کا؟ کیونکہ شیر کی طبیعت اس کی مقتضی ہے لہٰذا وہ اسی پر منحصر رہے گا اور اس کی خیریت یا شریت اس کی طرف منسوب نہ ہوگی نہ کہ اس کے ارکان اربعہ یا عناصر یا مادے یا وجود کی طرف، ہر چند منشاء جزئیات کا کلیات اور کلیات کا وجود ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ فعل کا، کا سب بندہ ہے اور خالق حق تعالیٰ۔ بندے کے فعل کی شریت خالق کو نہ پہنچے گی۔ کیونکہ خالق کا فعل اعطاء وجود، اور نظام کل اور مصلحت عامہ عالم کے اعتبار سے ہے اور اس اعتبار میں خیر محض اور کمال ہی کمال ہے۔ اس امر پر بھی توجہ کرو کہ ایک ممکن جو باطل اور معدوم بالذات ہے۔ وہ دوسرے ممکن کو کیونکر وجود دے سکتا ہے۔ ایک محتاج دوسرے محتاج کی کیا مدد کر سکتا ہے۔ ایک مفلس دوسرے مفلس کو کیا عطا کر سکتا ہے۔

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

پس خالق صغیر و کبیر و قطمیر وہی عزیز و قدیر ہے۔ **والقدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ**۔ بندہ اور بندے کے تمام افعال کا خلاق حق تعالیٰ ہے۔ **خلقکم و ما تعملون**۔ یہ خیریت و شریت ہمارے لحاظ سے ہے جو جانب امکان کا تقاضا ہے۔ مگر خوب سمجھو جو ہمارے اعتبار سے شر ہے۔ وہی حق تعالیٰ کے اعتبار سے خیر۔ پس کسب خیر و شر دونوں ہو سکتا ہے اور خلق صرف خیر۔ حاصل یہ کہ بھلائی برائی، نیکی و بدی اور خیر و شر تین قسم کے ہوتے ہیں۔

اول خیر و شر اضافی: یعنی بعض اشیاء کا بعض اشیاء کے اعتبار سے اچھا یا برا ہونا۔ ایسا خیر و شر نا قابل التفات ہے۔

دوم خیر کثیر، شر کثیر: یعنی جس میں فائدہ زیادہ ہو یا نقصان زیادہ ہو۔ خیر کثیر واجب الاختیار اور کرنے کے قابل ہے اور شر کثیر واجب الترک اور چھوڑنے کے لائق ہے۔ اسی اصول پر قوانین سلطنت و نوامیس شریعت کی بنیاد ہے۔

سوم خیر محض یعنی بالکل بھلائی اور شر محض یعنی بالکل برائی:

نظام کل، مصلحت عامہ کے لحاظ سے ہر شئے موجود ہے، اپنے مقام پر اچھی ہے، تحقیق سے ثابت ہو گیا ہے کہ مرجع خیر وجود ہے اور مرجع شر عدم۔ اعتبار خیر محض واجب الاعتقاد ہے اور اسی پر تصوف کی بنیاد ہے۔ یہ امر بھی قابل توجہ و اعتبار ہے کہ حقیقت ممکنہ یعنی عین ثابت، معلوم الٰہی، صورت علمیہ جب ایک عالم میں پہنچتی ہے تو اس عالم کے اعتبار سے، اس کی مناسبت سے اس کے اقتضاءات بروئے کار اور نمایاں ہو جاتے ہیں۔ جب دوسرے عالم میں پہنچتی ہے تو یہی اقتضاءات دوسرے رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں اس طرح عالم بعد عالم **لترکبن طبقاً عن طبق** کا مصداق ہے۔

ذرا غور کرو ان اقتضاءات کا نمایاں کرنا، منصۂ ظہور پر جلوہ گر کرنا ظلم ہے یا عدل، مستحق کو اس کا حق دینا کیونکر ظلم ہو سکتا ہے۔ محض عدل اور عین حق رسانی ہے۔ رب العالمین جو کچھ کر رہا ہے اور جو عطا کر رہا ہے عین انصاف اور روح عدالت ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت جو چاہے کر سکتی ہے۔ اس پر کوئی شئے واجب نہیں۔ **لا یسئل عما یفعل و ھم یسئلون**۔ مگر حکمت بالغہ، قدرت تامہ کو اپنی طرف رجوع کر لیتی ہے۔ **تنزیل من عزیز حکیم، قل فللہ الحجۃ البالغۃ**۔ صرف قدرت سے بحث کرنا اور حکمت کو نظر انداز کرنا خلاف حکمت ہے۔ ذرا آنکھ کھول کر دیکھو کیا نظام اکمل ہے۔ کیا حکمت اشمل ہے۔ اگر اس کی حکمت ہماری سمجھ میں نہ آئے تو یہ ہماری کوتاہ نظری ہے۔ وہ جیسا قدیر ہے حکیم بھی ہے۔ خدائے تعالیٰ کی ہر صفت نا قابل تعطل ہے۔ اس امر پر بھی خوب توجہ کرنی چاہئے کہ حکمت بالغہ کے مطابق جس ترتیب سے جس صفت کا ظہور معین ہے وہی اس کا وقت ہے۔ اپنے وقت پر کام نہ کرنا البتہ تعطل و بے کاری ہے دوسرے کے کام کے وقت کام نہ کرنا ہرگز تعطل و بیکاری نہیں۔ اس امر کے لحاظ نہ کرنے سے بڑی بڑی غلطیاں ہوتی ہیں۔ پس خلق کے وقت امانت کا متعلق نہ ہونا اس کا تعطل نہیں۔ امانت کے وقت امانت کا نہ ہونا تعطل و بیکاری ہے۔ مگر خدائے تعالیٰ ایسا ہرگز نہیں کرتا۔ اس کا ہر فعل محض خیر، عین حکمت، سراپا رحمت ہے۔

الحمد للہ علی کل حال (المعارف حصہ دوم "وجود" ص ۱۴ تا ۲۰)

قدرت: واضح ہو کہ معلومات الٰہیہ یا عین ثابتہ یا صور علمیہ کئی قسم کے ہیں۔ (۱) خود اسماء الٰہیہ جو نفس ذات حق سے منتزع ہیں وہ باعتبار منشاء کے عین ذات حق ہیں اور ذات حق کے ساتھ قدیم ہیں۔ یعنی ان کی ذات، ذات حق ہے اور منشاء منتزع عنہ ہے قدیم ہے لہٰذا وہ بھی قدیم ہیں۔

(۲) وہ معلومات جن کو وجود خارجی سے جو عین ذات حق ہے کوئی تباین نہیں۔ ان کا وجود بھی ضروری نہیں اور عدم بھی ضروری نہیں جب وہ موجود خارجی و اسماء الٰہیہ سے ملتے ہیں تو ان سے آثار نمایاں ہوتے ہیں یعنی وہ مخلوق و مجعول ہوتے ہیں ورنہ نہیں۔ ایسے معلومات، ممکنات، جائزات، مخلوقات کہلاتے ہیں، ان میں کلیات کو ماہیات اور طباع مرسلہ اور جزئیات کو ہویات کہتے ہیں۔

(۳) وہ معلومات یا صور علمیہ جو ذات حق، وجود حقیقی اور اسماء الٰہیہ سے (جو خارج میں عین ذات حق ہیں) مبائنت، معاندت و معارضت رکھتے ہیں وہ ہرگز موجود نہیں ہو سکتے ایسے صور علمیہ ممتنع، محال مستحیل کہلاتے ہیں۔

یہ خوب یاد رکھو کہ قدرت کا تعلق عین و معلوم سے بعد علم ہوتا ہے اور ارادۂ الٰہی فرع حکمۃ بالغہ ہے۔ جو شئے خلاف حکمت ہو وہ ناقابل تعلیق قدرت و ارادہ ہے۔ پس محالات اور خلاف حکمت امور سے کن متعلق نہیں ہو سکتا اور ان میں قابلیت ہی نہیں۔ محالات کو ممکن سمجھنا قابل خلق و وجود سمجھنا جہل ہے۔ یہ سمجھنا کہ خدائے تعالیٰ غیر حکیمانہ کام کر سکتا ہے اس کو حکیم نہ ماننے کے مساوی ہے۔

مجنون و سفیہ کی قدرت تحت علم نہیں رہتی۔ ہوش مند، ذی عقل کلیم کی قدرت تحت علم و حکمت رہتی ہے۔ محالات سے قدرت و ارادہ کن متعلق نہ ہو سکنے سے عجز لازم نہیں آتا۔ عجز اس وقت لازم آتا ہے کہ پہلے وہ چیز ممکن بھی ہوتی۔ کیا کل سے جزو کو بڑا نہ کر دے سکنا یا اپنا شریک نہ پیدا کر سکنا، یا اول سے پہلے اول ——— اور آخر کے بعد آخر پیدا نہ کر سکنا عجز ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ تمام چیزیں محال ہیں اور محال سے قدرت کا متعلق نہ ہونا عجز نہیں بلکہ ممکنات کا پیدا نہ کر سکنا بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو عجز و منافی قدرت ہے۔

کیا خدائے تعالیٰ اپنا مثیل پیدا کر سکتا ہے؟ یہ سوال اس لئے مہمل ہے کہ مثل خدا محال ہے اور محالات ناقابل تعلق قدرت۔ کیا خدا خود کشی کر سکتا ہے، جیسا آدمی خودکشی کرتے ہیں؟ یہ سوال بھی مہمل ہے، عدم خدا محال ہے اور تمہارا مرنا اور عدم ممکن ہے۔ کیا خدا اپنے میں عیوب پیدا کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تحت قدرت ممکنات ہوتے ہیں۔ ممتنعات اور خود ذات حق تحت قدرت نہیں، اس کا وجود ایسا ضروری ہے کہ خود اپنے کو معدوم نہیں کر سکتا۔ وہ ایسا اچھا ہے کہ اپنے کو برا نہیں بنا سکتا، وہ ایسا بڑا ہے کہ اپنی قدرت سے باہر ہے۔ غرض کہ اتنی بات یاد رکھو کہ صرف ممکنات تحت قدرت ہوتے ہیں، نہ واجب نہ ممتنع بے کار مہمل باتیں جن سے عجز واجب تعالیٰ کا شبہ ہوتا ہے، دماغ خراب ہونے کی علامت ہے۔ (حکمت اسلامیہ ص ۴۲۔۴۴)

کلام: چونکہ کلام الٰہی کے متعلق اسلام میں ایک زمانہ تک سخت فتنہ برپا رہا۔ اس مسئلہ میں ائمہ قتل تک کئے گئے۔ مذہبی اختلاف کی ابتدا اور مذہبی معرکہ آرائیاں مسئلہ کلام ہی سے ہوئیں۔ چنانچہ عقائد یا فلسفہ اسلام کا نام ہی علم کلام ہو گیا۔ اس لئے میں اس کی گونہ تفصیل کروں گا۔ تاکہ اس اختلاف کا منشاء غلط معلوم ہو جائے۔

آؤ ذرا غور کریں، ناگوں، تھیٹروں میں کھیل کیوں کر ہوتا ہے؟ کسی ناول یا ڈراما سے کھیل کو استخراج کرتے ہیں یا خود کسی ڈرامے کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔ کھیل سے پیشتر کیا ہے؟ ڈرامہ نویس کی کتاب۔ اس سے پیشتر کیا ہے؟ ڈرامہ نویس کے الفاظ۔ جن کو وہ کتاب میں لکھتا ہے اور طبع کرواتا ہے۔ اس سے پیشتر کیا ہے؟ وہی ڈرامہ ہے۔ مگر خیالی الفاظ میں، جس زبان میں ڈرامہ نویس اس کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی شخص کو کئی زبانیں آتی ہوں۔ وہ جس زبان میں چاہے فکر و خیال میں ڈرامہ کو ترتیب دیتا و تیار کر سکتا ہے۔ خواہ اردو میں، خواہ عربی میں، خواہ انگریزی میں۔ اس نے زبان تو ہلائی نہیں، آواز تو نکالی نہیں۔ منہ سے ایک لفظ نہیں کہا، یہ دل میں انگریزی یا اردو میں ناول کیسا؟ دل میں شاید اسی ناول کے معنی ہوں گے۔ جن کو زبان سے الفاظ میں بیان کرے گا؟ نہیں، معنی تو انگریزی، عربی، اردو سب کے ایک ہیں۔ ناول میں ناول نویس کے الفاظ ہیں جو کہنے سے پیشتر خیال میں تھے۔ خیال میں جو الفاظ و کلام رہتا ہے۔ اس کو "کلام نفسی" کہتے ہیں۔

ذرا بولو! قفا نبک من ذکریٰ حبیب و منزل. تو کیا معنی امراء القیس کے اور الفاظ میرے ہیں؟ نہیں الفاظ بھی امراء القیس کے ہیں جن کو میں پڑھتا ہوں۔ خط لباس ہے ہمارے الفاظ کا، الفاظ لباس ہے کلام نفسی کا، کلام نفسی لباس ہے علم کا۔

کیا کھیل کے آج ہونے سے ڈرامہ کا آج پیدا ہونا لازم آتا ہے؟ نہیں ڈرامہ تو پہلے سے ہے۔ تھیٹر میں اس کا ظہور آج ہوا۔

خدا توفیق دے ڈرامہ نویس نے تو ایک وقت لکھا۔ ان ایکٹروں نے تو احمقوں کو لوٹنے کے لئے سینکڑوں دفعہ اس کا ظہور کیا۔

کیا ڈرامے کے آج طبع ہونے سے اس کا آج پیدا ہونا لازم آتا ہے؟ نہیں۔ ڈرامہ کا عالم کتاب میں آج ظہور تازہ ہوا ہے۔ اس سے پیشتر مطبع والوں نے کتنی دفعہ اس کا ظہور کیا ہے۔

یہ کیا بات ہے، سیاہی نئی، کاغذ نیا، ہمارا پڑھنا نیا، مطبع نیا، مطبع والے نئے مگر ناول سینکڑوں سال کا، اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم ناول سے ان کا تعلق وربط حادث ہے۔ تعلقات کے حدوث سے ناول کی قدامت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ڈرامے جو تھیٹروں میں پیش کئے جاتے ہیں تو واقعات بھی ہوتے ہیں۔ ان کے اخبار بھی ہوتے ہیں، واقعات حادث ہیں تو ان کے اخبار بھی حادث ہوں گے؟ نہیں تھیٹر میں واقعات بھی حادث ان کا بیان وخبر بھی حادث مگر اصل ڈرامہ قدیم۔ کیونکہ تھیٹر میں ڈرامہ کا ظہور ہے۔ ظہور کے حدوث سے اصل شئے کا حدوث لازم نہیں آتا۔

ہاں چند امور اور رہ گئے ہیں ان پر بھی غور کرلو۔ کلام کو علم سے کیا تعلق ہے۔ کلام معلومات کے اظہار کا ذریعہ ہے۔

ناول کا اسلوب بیان کیسا ہوتا ہے؟ ہر ناولسٹ کا ایک رنگ خاص ہوتا ہے۔ وہ بادشاہ فقیر، عالم وجاہل، عورت ومرد کی لاکھ زبان لکھنے جاننے والے سے کبھی نہیں چھپتا کہ یہ فلاں شخص کا ناول ہے۔ کیونکہ ہر شخص کا طرز بیان جدا ہوتا ہے۔ (حکمت اسلامیہ ص ۴۴ یا ۴۶)

جو لوگ اسالیب کلام سے واقف ہوتے ہیں وہ فوراً کہہ دیتے ہیں کہ شعر امراء القیس کا ہے یا زہیر کا۔ زمانہ جاہلیت کا ہے یا ان لوگوں کا جنہوں نے اسلام وجاہلیت دونوں کو پایا ہے۔ یا یہ کہ یہ شاعر عہد بنی امیہ کا ہے یا بنی عباس کا یا بالکل زمانہ حال کا پھر یہ کہ یہ شاعر بغداد کا ہے یا شام کا، حجاز کا ہے یا مصر کا، عرب کا ہے یا عجم کا۔ اگر ایک شعر سے پورا علم نہیں ہوسکتا تو دو چار شعر کے بعد تو امتیاز ہو ہی جاتا ہے۔ اردو دان بھی سمجھ لیتے ہیں۔ یہ شعر سودا کا ہے یہ میر کا، ذوق کا ہے یا غالب کا، داغ کا ہے یا امیر کا۔ ہر زبان کے نقاد سخن، شعراء ونظماء کے باہم کلام میں امتیاز کرتے ہیں۔ اعلیٰ شعر کو ادنیٰ سے جدا کرتے ہیں۔ جہل مرکب، ہٹ دھرمی۔

بے جا مخالفت اور بات ہے۔ ذوق سلیم نہ رکھنے والے معترض بحث میں نہیں۔ صاحب ذوق کلام عالی سنتا ہے اور پہروں بلکہ دنوں اس کا مزہ لیتا ہے۔ ایسے صاحب ذوق عرب بلکہ عجم پر بھی بلاشبہ قرآن کا اعجاز، فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ (اعجاز القرآن ۱۰۔۱۱)

شاعر یا منشی جس درجہ کا ہوتا ہے۔ اسی درجہ کا اس کا کلام ہوتا ہے۔ ایک غمگین آدمی کے کلام سے غم ظاہر ہوگا۔ ایک سپاہی کے کلام سے شجاعت ٹپکے گی۔ متنبی سیف الدولہ کے ساتھ خود بھی جنگ میں شریک رہتا تھا تو اس کے قصیدے کا زور ہی الگ ہے۔ شعراء جاہلیت کے اشعار میں بے ساختگی، سادگی اور صداقت ہے۔ مستمدن شعراء کے کلام میں صنائع بدائع ہیں، جن میں بناوٹ اور تکلف نمایاں ہے۔ خدا کے کلام کا لہجہ اور قوت ہی الگ ہے۔ اسی طرح پیغمبر اور بزرگان دین کا کلام الگ ہوتا ہے۔ ادباء ونمائشی لوگوں کا کلام جدا۔ صاحب فراست وعقل سلیم پہچان لیتا ہے کہ یہ کلام، کلام بشر سے وراء ہے۔ ما ھذا من کلام البشر۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر زبان کا ایک بڑا شاعر ہو جاتا ہے جس کی مثال مستقبل نہیں لاسکتا۔ تو کیا وہ بھی کلام اللہ ہو جائے گا؟ عربی میں امراء القیس، فارسی میں فردوسی، اردو میں میر تقی یا آج کل غالب پرستوں کے پاس غالب یا بعض کے پاس میر انیس یا یونانی میں ہومر اور انگریزی میں شیکسپیئر۔ اس شخص کو سمجھنا چاہئے کہ ان شعرا کی جو تعریف کی جارہی ہے وہ بحیثیت مجموعی ہے۔ ان کی تعریف اس پیمانے پر نہیں ہے کہ کوئی ان کے کسی تین شعر کے برابر بھی نہیں کہہ سکتا۔

امراء القیس کی کمزوریوں کو دیکھنا ہو تو اعجاز القرآن دیکھو۔ غالب کا تمام دیوان چھان مارو ان میں سے چند چوٹی کے شعر نکلیں گے۔ میر تقی کے دیوان میں سے چند ہی نشتر نکلیں گے۔ سودا، داغ، امیر کے کلام میں بھی چند اچھے شعر نکل سکتے ہیں۔ مرزا دبیر کے کلام میں چند بند بلکہ چند مرثیے ایسے ہیں جو میر انیس کے بعض مراثی اور بند سے اچھے ہیں۔

فردوسی، نظامی، سعدی، خسرو، جامی، مولانا روم ان کے کلام میں اعلیٰ درجہ کے شعر بھی ہیں، اوسط درجہ کے اور معمولی بھی۔ ان میں سے کسی کو کسی پر ایسی ترجیح نہیں کہ دوسرے کے چند شعر بھی ان کے اشعار کے برابر یا اعلیٰ نہ نکلیں۔

مجھے انگریزی تو آتی کہاں۔ مگر سنتا ہوں کہ شکسپیئر کا ماخذ تاریخ اور دوسروں کے ڈرامے ہیں۔ صرف وہ ڈرامے اس کے ذاتی ہیں اور ان میں وہ کھو گیا ہے۔ نیز اس کے کلام میں یکسانی کہاں۔ عمر کے بڑھنے سے زمانے کے بدلنے سے ان ڈراموں میں تغیر آتا گیا ہے۔ پھر نقاد ان سخن کی قدر اندازی سے بے چارے کے پرخچے اڑ گئے ہیں اس کے سانٹ سے ملٹن کے سانٹ کم نہیں۔ نفس فصاحت کے لحاظ سے بیکن بھی ایک مسلمہ استاد ہے کون کہتا ہے کہ بیکن کی نثر شکسپیئر کی نظم سے کم ہے۔ بہر حال اگر شکسپیئر اچھا ہے، تو بیکن اور ملٹن بھی اچھے ہیں۔ بن جانسن بھی اس کی ٹکر کا ہے۔ یہ نہیں کہ شکسپیئر کے سامنے سب ہیچ ہو گئے ہیں۔ لبید نے جو ساتوں شعراء میں سے ایک ہیں، مسلمان ہو کر قرآن ہی پڑھتے اور اس پر سر دھنتے، شعر کہنا چھوڑ دیا۔

جانسن اور ہومر کے متعلق بعض محققین نے لکھا ہے کہ کہیں ہومر نے اچھا لکھا ہے تو کہیں جانسن نے۔ دنیا کے تمام شعراء اور خطباء میں کوئی ایسا نہیں جو دوسروں پر اتنی فوقیت رکھتا ہو کہ کسی کا ایک حصہ بھی اس کے کسی حصے کے برابر نہ ہو۔ اور اس کا تمام و کمال کلام ایک درجہ پر ہو یا اس کے دو قولوں میں تناقض نہ ہو یا اس کے کلام میں تغیر ممکن نہ ہو۔

قرآن شریف کی یہ حالت ہے کہ اس میں سے ایک حرف نہ نکل سکتا ہے، نہ زیادہ ہو سکتا، نہ جملہ کی شکل تبدیل ہو سکتی ہے، نہ ایک حرف کی جگہ اس کا مترادف ہی رکھا جا سکتا ہے۔ حالانکہ قرآن شریف (۲۳) سال تک اترتا رہا۔ (اعجاز القرآن ص ۱۲ تا ۱۴)

النظام (متوفی ۱۸۴۵) جو بڑا ادیب ہے اور فلسفی بھی ہے۔ کہتا ہے کہ قرآن کے جواب دینے کی قوت اللہ تعالیٰ نے حضرت کے اہل زمانہ سے سلب کر لی ہے۔ اس کے خیال میں قرآن کا مثل ممکن تھا۔ مگر سب لوگوں سے وہ قوت ہی سلب کر لی گئی تھی تو جواب کیونکر دیا جا سکتا ہے اس کا خیال بالکل غلط ہے کیونکہ اس طرح قرآن مجید معجزہ نہ ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کا فصاحو بلغا سے جواب کی قوت سلب کر لینا معجزہ ہوا۔ افسوس ہے کہ اتنے بڑے ادیب پر قرآن کی حقیقت نہ کھلی ورنہ قرآن کے ایک ایک سورۃ، ایک ایک آیت پر سر دھنتا، قربان ہوتا غالباً وہ قرآن شریف کو سہل ممتنع سمجھ کر اس ورطے میں غوطہ کھا رہا ہے کہ قرآن کا مثل ممکن ہے۔ مگر یہ امکان کبھی فعلیت میں نہیں آتا۔ (اعجاز القرآن ص ۳)

☆☆☆ باقی آئندہ ☆☆☆

قصہ ایک محفل ختم القرآن کی رو داد کا۔۔۔

جو لکھتے لکھتے ذکر الٰہی میں گم ہوگئی

محمد زبیر اعوان: ہری پور

جب سے انسان کی تخلیق ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کی تعلیم و تربیت کا ذمہ اپنے خاص فضل کے ذمہ کر لیا ہے اور انسان کی پیدائش سے لے کر ان کے وصال تک یا یوں کہہ لیں کہ انسان کی ابتدا سے لے کر اس کی انتہا تک کے جملہ امور کی نگرانی و حفاظت اللہ تعالیٰ نے ایسے کی ہے جیسے اس کائنات میں تمام تر مخلوقات میں سے انسان ہی وہ واحد مخلوق ہے جو اللہ نے اپنا گروپ ظاہر کیا ہے اور باقی سب مخلوقات کو انسان سے محبت کے ساتھ مشروط کر لیا ہے کہ حضرت انسان کے لئے اپنا آپ وقف رکھو۔ وہ تمہیں مار کر کھانا چاہے تو کھا سکتا ہے، تمہیں پال پوس کر نمائش کے لئے بھی رکھ سکتا ہے۔ وہ معدنیات، نباتات کو جیسے چاہے استعمال کر سکتا ہے۔ پہاڑوں کا کام ہے وہ اس کے لئے اپنے دہانے کھول دیں اور جیسے جیسے انسان پہاڑوں کے اندر جاتا جائے پہاڑوں کو پروں کا کام بھی سنبھالنا پڑے گا اور وہ اپنے ذرات و پتھروں کو اس پر گرنے سے روکتے رہیں گے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم خود کوئی کونہ ایسا چھوڑ دیں جہاں سے پتھر نیچے ڈھلک آئیں ورنہ آج بھی پہاڑوں کے اندر انسان نے موٹر وے سڑکیں تعمیر کر رکھی ہیں، سرنگیں بنا رکھی ہیں، رہائشی بلاک بنائے ہوئے ہیں، مگر یہ پہاڑ انسان کو اپنی آغوش میں چھپا کر رکھے ہوئے ہیں۔ ہواؤں نے اپنی گودیں انسان کے بنائے ہوئے جہازوں اور مواصلاتی سیاروں کے لئے ایسے رکھی ہیں جیسے ماں کی گود میں بچہ ہر طرف ہمک کر بھی ماں کی آغوشِ پناہ میں رہتا ہے ورنہ ستارے جہاں ہیں انہیں اپنی مخصوص جگہوں سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ جانوروں اور پرندوں تک کو حضرت انسان ہی کی تکمیل کے لئے رکھا گیا ہے۔ جیسے آج کل ہمارے گروپ بنتے ہیں تو جس گروپ میں ہم ہوں گے اس گروپ کے سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گروپ کے رہن سہن، تفریح طبع، لباس، خورد و نوش اور اس کی عزت و عظمت کا احساس و اہتمام رکھے۔ یہ عام دنیا داری کا گروپ ہے مگر اللہ نے جس طرح ہمیں اپنا گروپ بنا رکھا ہے اس طرح کوئی انسان کیسے ہمیں اپنے گروپ میں رکھ سکتا ہے۔ ہم تو اگر سربراہ گروپ یا بادشاہ کے خلاف سازش کریں تو بغاوت کے مقدمے میں ضمانت ہو ہی نہیں سکتی اور اس کی آخری سزا موت ہی ہوتی ہے۔ گویا سربراہ مملکت یہ گوارا ہی نہیں کر سکتا کہ اس کی موت کے حوالے سے سوچنے والا بھی اس دھرتی پر زندہ رہے، مگر آئیں اس رب کریم کو دیکھیں جس کا مخالف اپنے تئیں اپنے رب کے بھیجے ہوئے نمائندوں کو بھی قتل کرنے سے نہیں ڈرتا، بلکہ خود اس رب کو بھی نعوذ باللہ ختم کرنے کی سازش کرتا ہے۔ اس کے خلاف جنت بناتا ہے، اس جیسی دوزخ بنانے کی کوشش کرتا ہے، اس کے انبیاء کو جھٹلاتا ہے، مگر یہ کیا ہے؟ رب کریم پھر بھی اسے اپنے پاس بلا لیتا ہے۔ اس کی ڈانٹ ڈپٹ کرتی ہے یا اسے چھوڑتا ہے۔ جب بندہ مر جائے تو کچھ پتہ نہیں ہوتا وہ اپنے رب کے پاس ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ ہاں اتنا ضرور پتا ہے کہ اگر انسان دیگر کسی مخلوق کے خلاف شرارت کرے تو معافی ہو سکتی ہے لیکن انسانیت کو گمراہ کرے انسانیت کے خاتمے کی کوشش کرے، یہ اللہ تعالیٰ برداشت نہیں کرتا۔ گویا اس ساری تمہید میں یہ واضح ہوا کہ ہم سب انسان اللہ کے خاص گروپ سے ہیں اور وہ ہماری ساری باتیں، خواہشات اور ضرورتیں پوری کرنے والا ہے۔ وہ ہماری مخالفت کرنے والے کسی انسان کو بھی نہیں بخشتا، بلکہ وہ فرشتوں میں بھی اگر کوئی انسان کو سجدہ کرنے سے انکاری ہوا تو یہ نہ دیکھا گیا کہ اس کی کتنے برسوں کی میرے ساتھ ریاضتیں اور عبادتیں منسلک ہیں بلکہ اسے بھی ہماری وجہ سے جنت سے نکالا گیا اور اس قدر سخت آرڈر ہوا کہ جو اس ابلیس کا ساتھ دے گا اسے بھی اس کا ساتھی سمجھا جائے گا۔ سوچئے کہ ابھی انسان نے اللہ سے اپنی گروپنگ اوپن نہیں کی، مگر اللہ نے انسان کے اوپر کتنا بڑا احسان کیا حالانکہ فرشتے کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ! یہ زمین میں فساد کرے گا مگر ہماری نمائندگی خود رب کر رہا ہے کہ نہ نہ، جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے، پھر فرشتوں کو انسان کی عظمت بتانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ اسماء بھی سکھائے جو فرشتوں کو لاکھوں کروڑوں سال کی بندگی سے نہ ملے، پھر رب کریم نے فرمایا کہ اے فرشتو! تم ذرا یہ اسماء تو بتاؤ، مگر فرشتوں نے عاجزی اور لاچاری محسوس کرتے ہوئے کہا کہ اے ہمارے رب! ہم کیسے وہ بتا سکتے ہیں جو آپ نے ہمیں سکھایا ہی نہیں، گویا سکھانے والا بھی تو ہی ہے اور جس کے منہ سے بیان کرانا چاہے اسے قوت گویائی دینے والا بھی تو ہی ہے، گویا اربوں کھربوں سالوں کی ریاضتیں اور عبادتیں ہی کیوں نہ ہوں بات تو اس کے کرم کی ایک نگاہ سے ہی بنتی ہے، جس کے ہم ہیں اور اچھا! یہ بھی دیکھئے! کہ شیطان نے ایک انکار کیا جس کی معافی ہے ہی نہیں مگر اللہ کے اپنے گروپ اور حضرت انسان کو دیکھئے کہ بار بار انکار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معمولی سرزنش کر کے پھر انبیاء بھیجتے رہے کہ چلو ذرا پھر ان کو سمجھاؤ، گویا ماں جیسے کہہ رہی ہو کہ خبردار آج مسجد نہ گئے تو گھر نہ آنا، کھانا بھی نہیں ملے گا، کپڑا بھی نہیں دوں گی، پیار بھی نہیں کروں گی، لیکن وہی بچہ جب اپنے ٹائم سے آدھا گھنٹہ بھی لیٹ ہو جائے تو ماں پورے محلے اور گھرانے میں واویلا ڈال دیتی ہے گویا کہہ رہی ہو کہ وہ سب تو میری غصے کی باتیں تھیں تم نے ان کا اثر کیوں لے لیا۔ میں جو تمہیں پیار کرتی ہوں وہ کیوں بھول گیا؟ اسے اپنا غصہ یاد ہی نہیں رہتا کہ کس بات پر آیا تھا۔ بس وہ اپنے آپ کو کوسنے لگتی ہے کہ کیوں میں نے اپنے بچے پر غصہ کیا اور جب بچہ واپس آتا ہے تو پھر اس کا کبھی ماتھا چومتی ہے، کبھی سر پر ہاتھ پھیرتی ہے، کبھی بلائیں لیتی ہے، کبھی نظر اتارتی ہے۔ بچہ بھی حیران ہوتا ہے کہ یہ وہی ماں

ہے جو صبح کیا رنگ رکھتی تھی اور آج کیا حالات ہیں؟ میرا رب کریم فرماتا ہے کہ میں تو ماں سے بھی ستر گنا زیادہ مہربان ہوں۔ اے میرے بندے تو ایک قدم میری طرف آ، میں دو قدم آؤں گا، ارے تو ایک گناہ کار بن کر آواز تو لگا میں اگر بندہ مومن کی آواز پر ایک مرتبہ لبیک کہتا ہوں تو گناہ کار کی آواز پر تین مرتبہ لبیک یا عبدی کہوں گا۔ اے میرے بندے میں نے جو اعزاز کسی کو نہیں دیا وہ بھی تو تمہیں ہی دیا ہے کہ کائنات میں کوئی مخلوق میری نمائندگی کا دعویٰ نہیں کر سکتی مگر صرف انسان بحیثیت رسول اور نبی یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا نمائندہ ہوں اور انسان ہی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ برملا کہہ سکتا ہے کہ میں اللہ کا ہوں اور اللہ ہی کے پاس میری آخری رہائش ہے۔ اے میرے بندے! بتا تا کہ یہ اعزاز اور کس کو ملا ہے، یہ جنت بھی تیرے لئے ہی سجائی ہے، دوزخ تو ان کے لئے ہے جنہوں نے تمہیں مجھ سے دور کرنے کے لئے سازشیں کیں۔ مگر میں وہاں سے بھی اسے ضرور نکلواؤں گا، جس نے سچے دل سے کبھی رتی برابر بھی مجھ سے پیار کیا ہوگا۔ اسی لئے تو میں نے ایک کام تمہاری پیدائش سے بھی پہلے کر لیا تھا۔ اللہ گویا فرما رہا ہے کہ مجھے پتہ تھا کہ میری اپنی پیدا کردہ مخلوق ہی میرے اور میرے بندوں کے درمیان شیطانی فاصلے پیدا کرنے کی کوشش کرے گی۔ اسی لئے میں نے اپنے نور رحمت سے ایک رحمۃ اللعالمین بنایا۔ اپنے نور سے ایک نور پیدا کیا اور اسے ہر اس مادے سے محفوظ رکھا جس سے بد دعا بھی نکل سکتی ہو۔ اسے خطاؤں اور گناہوں سے معصوم بنایا، اسے انبیاء کا بھی اور رسولوں کا بھی امام بنایا، گویا اسے ہر زمانے ہر مخلوق، ہر انسان اور کائنات کی ہر شے سے افضل بنایا۔ صرف اس لئے کہ کل جب قیامت میں میرا جلال عروج پر ہو تو اس کا جمال میرے جلال کو ٹھنڈا کرنے میں نظر آئے۔ جب ہر انسان اپنی اپنی فکر میں لگا ہو۔ حتیٰ کہ وہ ماں بھی جو دنیا میں اپنے بچے کے لئے میری رحمت کا مظہر نظر آتی تھی آج وہ بھی اپنی رحمت اپنی اولاد کو بھول کر صرف اپنی فکر میں لگی ہے، لیکن یہ میرا ہی نور تو ہے جو آج بروز قیامت بھی سجدے میں گرا ہوا ہے اور مجھ سے انسانیت کی بقا و رحمت الٰہی کی دعائیں کر رہا ہے۔ کیا یہ نبی رحمت میں نے ہی تمہیں عطا نہیں کیا۔ واہ کیا خوبصورت محفل عشق و مستی ہے۔ کائنات کا خالق و مالک اپنی مخلوق خاص پر اپنے عفو و کرم کو لٹانے کے لئے کیا، کیا حسن کے جلوے دکھاتا ہے اور کس کس رنگ میں اسے تربیت کے فیض سے نوازتا ہے۔ پہلے اسے فرماتا ہے کہ ان پتھروں کی پوجا چھوڑ دو۔ بندہ بڑی مشکل سے پتھروں سے ہٹتا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ پتھر بھی انسان کو سجدہ کرتے نظر آتے ہیں۔ جو خود مسجود ہونے کے دعویدار ہیں، لیکن یہ کیا کہ حکم ہوا تم اس گھر کو سجدہ کرو جسے میرے ایک بندے ہی نے بنایا ہے۔ بندہ حیران ہے لیکن حکم عدولی کی اجازت نہیں ہے انسان جب رب سے پیار کرنے لگتا ہے تو پھر حکم ہوتا ہے میرے بندوں سے پیار کرو۔ بندہ جب اپنا قبلہ رب کو بناتا ہے تو پھر حکم ہوتا ہے کہ تمہارا قبلہ تو مسجد اقصیٰ ہے اور پھر بیت اللہ ہے گویا رب اپنے بندوں کو آزماتا ہے کہ یہ میرا حکم مانے گا یا نہیں، لیکن دوسری طرف محسوس ہوتا ہے کہ نہ نہ یہ آزمائش تو نہیں، یہ تو تربیت تھی ورنہ یہ بھی تو اسی بندے نے کہا ناں، جس نے بندوں سے بھی پیار کیا، کعبے کو بھی سجدہ کیا، بیت اللہ کو قبلہ بھی تسلیم کیا اور اس کے بندوں سے عشق بھی کیا، پھر بھی کہا کہ اے اللہ میرا عشق وہی تو، میرا یار وہی تو، میرا دین وہی تو، ایمان وہی تو، میرا قبلہ، کعبہ، دین، دھرم ایمان وہی تو۔۔۔۔۔۔۔ گویا ہر تربیت کی انتہاء پر اس رب کریم نے اپنے ہی جلوے سجا رکھے ہیں اے میرے بندے! دیکھ ناں، جب تو اپنا سب کچھ چھوڑ کر میری طرف آتا ہے تو پھر میں تمہیں سیریں کراتا ہوں۔ کبھی عظیم مرشدوں کی طرف بھیجتا ہوں۔ جو تمہیں میری ہی باتیں سنا سنا کر تمہارا شوق چنگاری سے انگارے میں بدلتا ہے اور تم میرے قریب ہونے لگتے ہو، تو پھر تو میں کبھی کعبے میں بھیج دیتا ہوں، کبھی مسجد کا راستہ بتا دیتا ہوں، مجھے پھر تم بھلا نہیں پاتے ہو۔ میرا دشمن بھی تمہارے ساتھ ہوتا ہے، وہ تمہیں بھڑکاتا ہے کہ رب کو کیا ضرورت ہے نمازوں کی، روزوں کی، عقیدوں کی، اعمال صالحہ کی، وہ تو بے نیاز ہے، مگر تم بھی میری راہ سے نہیں ہٹتے اور اس امر پر قائم رہتے ہو کہ اپنے رب نے جو فرمایا ہے، وہ نہیں چھوڑوں گا۔ تب میں تمہیں اپنے اس محبوب کے در پر بھیجتا ہوں۔ اس کے جلوے تمہیں دکھاتا ہوں اور ساتھ ہی تمہیں اس کی اطاعت کا حکم بھی دیتا ہوں۔ جیسے تم میری اطاعت کرتے ہو اور میں تمہیں سے بندے کا کڑا امتحان شروع ہوتا ہے۔ اگر مرشد کامل ہو تو بندہ رب کے اس عظیم محبوب کی عظمت و محبت اور عشق و محبت کی سنہری اور خوبصورت دنیا میں قدم رکھ کر بھی رب کے ہی جلووں سے اپنے قلوب کو سجا لیتا ہے اور اگر مرشد کا فیض صحیح نہ ملے تو توحید ایک نئے عقیدے کے ساتھ اس کی روح میں ایسے چلی جاتی ہے کہ شیطان کے داخلی راستوں پر پابندی نہیں لگتی اور وہ شیطان جو اللہ کے مقابلے میں تو اپنا بس نہ چلا سکا، مگر اب یہ بھی نہیں چاہتا کہ کوئی اللہ کی بات ماننے والا بھی باقی رہے۔ وہ انسان کو اللہ کے اس محبوب کے در پر جانے سے، اس سے عشق کرنے اور اس کی اطاعت کرنے سے روکتا ہے۔ اس کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے، کیونکہ اسے پتہ ہے کہ یہ وہ در ہے جہاں اگر بندہ قبول ہو گیا۔ تو میرے ہاتھ سے ہمیشہ کے لئے نکل جائے گا۔ یہ اس مقام پر پہنچ جائے گا جہاں اللہ خود اس کے ہاتھ بن جائے گا۔ اللہ خود اس کے قدم بن جائے گا، لہٰذا وہ اپنی کوشش کرتا ہے اور رب کریم یہاں پھر اپنا حسن اس حسن مجسم کے پیکر میں ڈال دیتا ہے۔ جو کائنات میں رب کریم نے سب سے ایسا حسین بنایا ہے کہ

خود رب نے اسے اپنا حبیب بتایا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ جلوے شیطان ہی حاصل کر کے اپنے بندوں کو ورغلا لیتا مگر یہاں رب کریم نے دائرہ لگا دیا کہ یہ وہ محبوب رب العالمین ہے جس کا پیکر شیطان تمام تر طاقتوں کے باوجود نہیں اپنا سکتا، کیونکہ یہ عام پیکر نہیں ہے۔ یہ تو وہ پیکر ہے جسے ایک نظر دیکھنے والا ہی بغیر کسی عمل کے دنیا کے تمام غوث، اقطاب وابدال اور اولیائے کرام سے بھی افضل ہو جاتا ہے۔ کیا یہ کوئی عام انسان ہے نہ نہ یہ وہی تو ہے جسے رب کریم نے اس کائنات سے بھی پہلے اپنا نور دے کر پیدا کر دیا تھا۔ مگر ماسوائے چند مقرب فرشتوں کے کوئی اسے دیکھ کر پہچان بھی نہ سکتا تھا، کہ یہ رب کریم کے نور کا جلوہ ہے یا کوئی اور ہے۔ یہ تو صرف پہچان ہی اللہ کریم نے اسے عطا کی۔ جو اس کی اپنی تلاش میں پہلے ہی سرگرداں تھا۔ ہر کوئی تو اسے پہچان بھی نہیں سکتا تھا۔ حالت ایمان و پہچان میں پڑنے والی ایک نظر ہی تو تھی۔ جو عام انسان کو بھی صحابی رسول ﷺ کا درجہ عطا کر دیتی تھی۔ کسی نے تبھی تو کہا ہوگا۔

جس مسلمان نے دیکھا انہیں ایک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

بات ہمیشہ کی طرح دور نکل جائے گی اور مقصد جس کے لئے لکھنا شروع کیا تھا وہ رہ جائے گا بلکہ رہ گیا ہے، کیونکہ یہ قلم پکڑنا ہمارا کام ہے، سے چلانا اس خالق کا کام ہے جس نے ہمیں پیدا کیا وہ جو چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، ایسے ہی کراتا ہے۔ نہ ہماری زبانیں اپنی، نہ ہمارے قلم اپنے، نہ ہمارے دماغ اپنے، نہ ہمارے جسم اپنے، نہ ہماری روح اپنی، نہ ہماری دنیا اپنی۔۔۔۔۔۔ بلکہ میں خود کہاں ہوں؟ مجھے تو یہ نہیں معلوم۔ اے بندے کبھی تلاش کر کے تو دیکھ تو کہاں ہے؟ کہنے لگا، میں سامنے کھڑا ہوں۔ میں نے کہا یہ تو تیرا جسم ہے، تو کہاں ہے، کہنے لگا۔ جسم کو میں ہی تو حرکت دے رہا ہوں۔ میں نے کہا حرکت تو تمہاری روح دے رہی ہے۔ یہ روح نکل گئی تو تیرا جسم تیرا نہیں رہے گا، ایک لاشہ بن جائے گا، تو کہاں ہے؟ میں کہاں ہوں، یا یوں کہہ دو میں کون ہوں؟ اور تو کون ہے؟ یا میں کے اندر کون ہے اور تو کے اندر کون ہے؟ ارے ابھی تک سمجھ نہیں آئی کہ میں کہاں ہوں؟ اور کون ہوں؟ تو پھر یہ "میں" رکھنے والا شخص اس قابل کہاں ہوسکتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ جی "میں"۔۔۔ اس دفعہ اپنے مرشد کے در پر ہونے والی محفل ختم القرآن کی روداد لکھوں گا اور اس کے اثرات پر تاثرات لکھوں گا۔ ارے نااہل انسان اسی لئے تو ہر شخص کو جلوے نہیں دکھائے جاتے کہ ان کے پتے چھوٹے ہوتے ہیں اور وہ ہر بات باہر نکال دیتے ہیں۔ جب خود رب کریم نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو لیلۃ القدر کو کھل کر بیان کرنے کا حکم نہیں فرمایا، تو کس میں اتنی ہمت ہے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ رمضان المبارک کی ۵۲ ویں شب موسم یکدم کیوں تبدیل ہو گیا تھا۔ ادارہ تعلیمات اسلامیہ، خیابان سرسید راولپنڈی میں عظمت قرآن کے ساتھ ختم القرآن کی عظیم محفل کو یوم علی ﷺ سے نسبت کیسے مل گئی؟ حالانکہ اس دن ۱۲ رمضان نہ تھی، پھر محفل میں شریک ہر شخص کی آنکھوں میں نمی تیرتی کیوں دکھتی تھی؟ کیوں اس رات بیماروں کو بیماری بھول گئی اور ہر شے میں برکتوں کے انبار لگ گئے۔ کیوں بی بی پاک سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا ذکر امت محمدیہ ﷺ کے دلوں میں یہ کیفیت پیدا کر رہا تھا کہ نظریں جھکا دو، ذکر دختر رسول کریم ہونے چلا ہے۔ کہیں گستاخی یا بے ادبی نہ ہو جائے اور یہ کیا؟ اور یہ کیا شاہ جی کا انداز گفتگو بھی تو آج بڑا محتاط ہے۔ وہ جو خطاب میں شعلہ جوانیاں بکھرتی اور جلیاں چمکتی نظر آتی ہیں، آج انداز بھی دھیما ہے اور انجکشن بھی ایسے لگایا جا رہا ہے کہ کہیں طاقتور ترین دوائے عشق الٰہی سے قلوب پھٹ نہ جائیں، گویا عشق الٰہی کا ٹیکہ کبھی مولا علی ﷺ اور بی بی پاک رضی اللہ عنہا کے ذکر سے اور کبھی کلام الٰہی سے خاص آیات ربانی کے چناؤ سے بھگو بھگو کر لگایا جا رہا ہو اور مریض پھر بھی اپنے اندر جلال الٰہی کا وہ وجدان محسوس کر رہا ہو کہ ابھی یہ دل پھٹا کہ پھٹا۔ اگر سامنے اس روز ہنستا مسکراتا چہرہ مرشد کریم کا نہ ہوتا تو شاید کیا ہوتا، لیکن محسوس یہی ہو رہا تھا کہ مرشد بھی جانتے ہیں کہ آج کیا ظہور ہے کہ وہ بھی مسکرا مسکرا کر دھیمے انداز میں ایسے گفتگو کرتے ہوئے نظریں چار کرتے جا رہے تھے۔ جیسے مریدین کے قلوب کی کیفیت سے سرشار ہو رہے ہوں اور دل میں اپنے رب کا شکر ادا کر رہے ہوں کہ اے میرے مالک! تیرا شکر ہے کہ میں کامیاب ہو گیا اور ان لوگوں کو خالق حقیقی کی اصل منزل سے روشناس کرانے میں کردار ادا کر سکا۔ یہ محسوس ہونے لگا کہ گویا اللہ نے جو فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کا اشرف المخلوقات انسان کا ایک اعلان فرمایا تھا کہ جو میرے بندے ہوں گے وہ میرے ہی ہوں گے اور ان پر میرے انعام بھی ہوں گے۔ آج یہ بیٹھے ہوئے حاضرین محفل اپنے اس رب کریم کو پہچان گئے ہیں کہ ہمارے سروں پر ہماری طرف سے فرشتوں کے ساتھ بحث کرنے والا وہ کوئی اور نہیں بلکہ ہمارا اپنا خالق تھا جو آج بھی انتظار کر رہا ہے کہ کب میرے بھولے بسرے بندے اس مختصر سی دنیا کے جلووں سے نکل کر میرے جلووں میں اپنا مقصود حقیقی تلاش کریں گے اور میں انہیں نوازنے لگوں گا۔۔۔۔ واقفان حال کہتے ہیں کہ رمضان المبارک کی ۵۲ ویں شب کے بارے میں معتکفین حضرات میں سے بھی بعض خیال کرتے ہیں کہ یہ لیلۃ القدر کی رات ہوسکتی ہے، تاہم اگر لیلۃ القدر کی رات آ کر بھی پس منظر ہی ہے۔ تو ختم القرآن اور یوم علی ﷺ کی نسبتوں

سے سجائی جانے والی یہ بزم بھی لگتا ہے کہ کچھ ایسی جگہ چلی گئی ہے جس کی روئیداد کو صفحہ قرطاس پر سجانا کم از کم راقم الحروف جیسے نااہل آدمی کا کام نہیں ہوسکتا۔ اسے شاہ جی کی قربتوں سے فیض یافتہ حافظ علامہ شیخ محمد قاسم یا علامہ مولانا لیاقت علی جیسے صاحب تحریر لوگ ہی باہر لا سکتے ہیں۔ اگر شاہ جی کا اس دن کا خطاب ریکارڈ ہوا اور وہ من وعن شائع ہو جائے۔ بمع ان کی بے مثال سٹیج سیکرٹری شپ کے، تو عوام وخواص کے لئے ریکارڈ میں رکھنے والا سرمایہ ہوگا۔ ہمیں تو یہی سمجھ آتی ہے کہ ایسی محافل انہی محافل کا تسلسل ہیں، جو انبیاء ومرسلین نے معرفت الٰہی کی پہچان کے لئے سجائی تھیں اور آقا ومولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے تربیت والی ان محافل کو عروج بخشا تھا اور یہ وہی محافل ہیں، جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کی تربیت فراہم کراتا ہے۔ ہم تو ان محافل میں شرکت کی دعا یا ان کا انتظار کر سکتے ہیں جیسا کہ اب 26۔ دسمبر کا انتظار ہے جو شب عاشورہ ہے یا اس سے پہلے کی رات، لیکن اگر یہ رات بھی ادارہ تعلیمات اسلامیہ میں آ گئی تو عجیب یادگار ہوگی۔

☆☆☆

حدیث دلبراں

ملک عزیز کے نامور صحافی، کالم نگار، دانشور اور قلمکار صاحبزادہ محمد سعید احمد بدر قادری کا محبت نامہ

محترم المقام عزت مآب جناب علامہ سید ریاض حسین شاہ قبلہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

''دلیل راہ'' کا اگست کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ دل بہت خوش ہوا اور روح سرشار کہ آپ اس دور قحط الرجال میں نہایت عمدہ اور مفید کام کر رہے ہیں اور بھٹکے ہوؤں کو راہ ہدایت اور اہل درد کے ذوق وشوق میں اضافہ کر رہے ہیں۔ دلوں کو معطر اور روحوں کو جلا بخش رہے ہیں اور یہ سب کچھ آپ اپنی بے پناہ مصروفیات اور بیماری کے باوجود سرانجام دے رہے ہیں۔ امریکہ وکینیڈا اور امارات کے دورے بھی جاری بلکہ بیت اللہ کے عمرے اور حج کی سعادتیں بھی حاصل کر لیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ اور تفسیر قرآن مبین بھی۔ سنا ہے کہ آپ کا ترجمہ قرآن شائع ہو گیا ہے۔ دیگر کارناموں کے ساتھ آپ نے یہ کام بھی سرانجام دے دیا ہے۔

دلیل راہ کا صفحہ اول فارسی نعت کے عمدہ اور دلچسپ اشعار سے مزین ہے۔ مگر یہ درج نہیں کہ اشعار کس کے ہیں؟ اداریہ زبردست ہے اور وقت کا اہم تقاضا، آپ نے حکمرانوں کو مخاطب کر کے پسے ہوئے 18 کروڑ عوام کا پیغام ایوانوں تک پہنچا دیا ہے۔

تاریخ کی مثالوں سے آپ نے اداریہ کو وقیع بنا دیا ہے۔ اگر ہم نے ''طالبان'' کے حملوں کا جواب نہ دیا تو خطرہ ہے کہ یہ لوگ بڑھتے اور پھیلتے ہی جائیں گے۔ ان کو غیر ملکی سرمایہ اور حمایت بھی حاصل ہے۔ کہاں ہے سواد اعظم، دینی مدرسوں ہی کی تعداد کا شمار کر لیں۔ ہمارے مقابلے میں غیر مقلدین کے مدارس کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ ظاہر ہے ان سے فارغ التحصیل افراد کی تعداد بھی بہت زیادہ ہو گی اور اتنی زیادہ کہ جب چاہیں طالب علم سے طالبان بن جائیں اور افغانستان و وزیرستان وسوات میں اودھم مچائیں اور ہم ہیں کہ اسی زعم میں مبتلا کہ ہم سواد اعظم ہیں۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ وہ خود کو اہل سنت بھی کہلانے لگے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم امام ابوحنیفہ کو مانتے ہیں۔ ہماری تمام ''دینی اصطلاحات'' تک انہوں نے چرالی ہیں۔ وہی القابات جو ہمارے بزرگ اور موجودہ علماء استعمال کرتے ہیں۔ وہ بھی وہی استعمال کرتے ہیں۔ عام آدمی بآسانی دھوکہ کھا جاتا ہے اور کھا رہا ہے۔

مفتی محمد اقبال چشتی کا انٹرویو پسند آیا۔ ''قیام پاکستان کے مخالفین'' بھی پسندیدہ اور معلومات انگیز تحریر ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے تاکہ نئی نسل آگاہ رہے ورنہ یہ لوگ تو آج کل پاکستان کے ''نامے'' بنے ہوئے ہیں۔ ''آتے ہیں غیب سے۔۔۔۔۔'' بھی دلکش تحریر ہے اور مفید مطلب بھی۔ ابوحازم کا واقعہ دل افروز اور ایمان افزا ہے۔

والسلام

محمد سعید احمد بدر قادری

☆☆☆

پروفیسر مفتی محمد مسعود الرحمن چشتی لاہور

مکرمی ومحترمی حضرت علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ماہ رواں کا ''دلیل راہ'' ملا۔ پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ علم دشمن وقت میں آپ علم نافع کے چراغ روشن کر رہے ہیں۔ یقیناً ماہنامہ ''دلیل راہ'' لاہور ایک نہایت ہی علمی وفکری مجلہ ہے۔ جس میں تعلیم وتحقیق کے ساتھ عشق کے گلہائے رنگ بھی موجود ہیں۔

اللہ آپ کو اور آپ کی ٹیم کو اس کا احسن اجر عطا فرمائے۔ آپ کا جریدہ اپنے معاصر جرائد میں بلاشبہ ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ خصوصی طور پر آپ کے اداریہ کو وقت کی آواز کہا جا سکتا ہے۔ اس ماہ کا اداریہ تو اپنی مثال آپ ہے۔ آپ نے قارئین کو اسلامی تاریخ کے حوالے سے جو معلومات فراہم کی ہیں وہ قابل صد ستائش ہیں۔ دعا کریں کہ اللہ ملک پاکستان میں نظام مصطفےٰ کا نفاذ فرمائے اور ہمیں اس ملک کی تخلیق کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کس قدر دکھ کی بات ہے کہ اولیائے عظام کے ماننے والوں کے ملک میں مزارات کو شہید کیا جا رہا ہے اور مساجد پر دہشت گردی ہو رہی ہے۔

ماہنامہ کے سارے سلسلے اپنی ترجیحات کے لحاظ سے بہتر ہیں۔ راقم یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ معتبر علماء اہل سنت کے انٹرویو کا سلسلہ بہت معلوماتی وفکری ہے۔ اس میں ایک بہتری یوں پیدا ہو سکتی ہے کہ کبھی کبھی علمائے عرب کے حالات وواقعات بھی بیان ہوں۔ تاکہ ہم قارئین

اردو دان بزرگوں کے حالات و واقعات سے آگاہ ہو سکیں۔ نیز اہل عرب میں عشق و محبت کی علمبردار تحریکوں کے افکار، شخصیات، اداروں پر بھی روشنی ڈالنا مفید ہوگا اور یہ پروپیگنڈا دم توڑے گا کہ اہل عرب عشق و محبت سے خالی ہیں اور یہ برصغیر تک محدود طریقہ ہے۔

شنید ہے کہ آپ کا ترجمہ قرآن بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس کی ثقاہت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ترجمہ آپ نے کیا ہے۔

والسلام مسعود الرحمن لاہور

علامہ محمد رضوان یوسف لاہور

مرکز عقیدت و محبت قبلہ شاہ جی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کے زیر سایہ شائع ہونے والا مجلہ "دلیل راہ" انفرادی اور ممتاز حیثیت کا حامل مجلہ ہے۔ اس کا ہر آنے والا شمارہ قرآن فہمی، نور حدیث، علمی وقار، ادبی حسن، تاریخی حقائق اور تصوف کی چاشنی لئے ہوئے منظر عام پر آتا ہے۔

عظمت مضامین سے لے کر حسن ترتیب تک اور ندرت سرورق سے لے کر طباعت کے اعلیٰ معیار تک ہر چیز اپنی مثال آپ ہے۔ یوں تو ہر تحریر جاندار، پُر مغز اور حکمت سے لبریز ہوتی ہے مگر آپ کا اداریہ تو دلیل راہ کی عظمت و شان ہے اور قاسم بھائی کی یادوں کے حوالے سے باتیں قلب و روح میں اترتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی یادیں ہمارے لئے باعث برکت اور اکتساب فیض کا ذریعہ بنتی رہیں۔

آخر میں اس عرضی کے ساتھ اجازت چاہوں گا کہ نیا شمارہ اگر مہینے کے آغاز ہی میں میسر آجائے تو کرم بالائے کرم ہوگا۔

والسلام محتاج کرم

محمد رضوان یوسف

خطیب جامع مسجد ابوبکر صدیق

قیوم بلاک، مصطفےٰ ٹاؤن، لاہور

☆☆☆

اے روشنی کے پیغمبر
یہ شوریدہ سر
حرف زن ہے
کہ محراب و منبر سے
فتویٰ گر و فتنہ پرداز دیں حرف حق بیچتے ہیں
فقیہانِ مسند نشیں حرص دینار و درہم میں
تیرے صحیفے کا اک اک ورق بیچتے ہیں
یہ خلقت کا خون اور اپنی جبیں کا عرق بیچتے ہیں
پیمبر! مجھے حوصلہ دے
کہ میں ظلم کی قوتوں سے
اکیلا لڑا ہوں
کہ اس جہاں کے جہنم کدے میں
اکیلا کھڑا ہوں

گفتنی و نا گفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: **محمد نعیم چوہان** فیصل ٹاؤن لاہور

اے میرے اللہ! میری قوم کو فکری اعتدال اور عملی استحکام کی دولت سے مالا مال فرما۔

مسلمان ملکوں کا زوال ان کی حدود کے سمٹنے اور سکڑنے سے نہیں ہوا بلکہ ان کے معاشروں کے انحطاط سے ہوا ہے۔ علماء پر جہلاء کو فضیلت دی جانے لگی ہے۔ اقتدار کی مسندیں خوشامدی کاسہ لیسوں نے گھیر رکھی ہیں۔ ہنر مند بے کار پڑے ہیں اور اجڈ تاجدار بنے ہوئے ہیں۔ غدار کا ردار ہونے کی سلامیاں لے رہے ہیں اور ناداروں کی چھاتیاں گولیوں سے چھلنی ہو رہی ہیں رہزن راہنما بنے پھر رہے ہیں اور دانش ور گوشہ نشین ہو رہے ہیں۔

گفتنی و نا گفتنی سے ایک اقتباس

مخاطب:

ڈاکٹر محمد آصف ساہیوال

مسلمان حکمران اپنے دشمنوں کو قوم کا خون پلا رہے ہیں اور گوشت کھلا رہے ہیں۔ مذہب کو کمزور کرنے کے لئے مذہبی لبادے میں ہمفرے تلاش کئے جا رہے ہیں، وقت آ پہنچا ہے کہ زمین کا باطن زمین کے ظاہر سے اچھا ہو گیا ہے اور ظاہر ہے زمین میں رہنے والے زمین پر رہنے والوں سے اچھے ہیں۔۔۔

گفتنی و نا گفتنی سے ایک اقتباس

مخاطب:

شیخ محمد عثمان (دعی) آر بلاک، ماڈل ٹاؤن لاہور